



۲۵

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ



پٹنہ



خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر ۳۲۴۲۴/۷۷

پچیسواں شمارہ ۱۹۸۲ء

اس سہ ماہی مجلے میں انگریزی، اُردو، فارسی یا عربی میں ایسے مضامین شائع ہوں گے، جو خدابخش لائبریری کے نادر مواد پر مبنی ہوں، یا لائبریری سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں

قیمت : پندرہ رُپے

سالانہ خریداری	اندرون ملک	:	۶۰ رُپے
	پاکستان	:	۱۲ ڈالر
	یوروپ	:	۸ پونڈ
	امریکا اور دیگر ممالک	:	۲۴ ڈالر

محبوب حسین نے "پٹنہ لیتھو پریس" رمنا لین پٹنہ ۴ اور "لبرٹی پریس" پٹودی ہاؤس نئی دہلی میں چھپوا کر خدابخش لائبریری پٹنہ سے شائع کیا

فہرست

محمد حسین آزاد : بحیثیت محقق	جناب قاضی عبدالودود	۱
غزلیات صفیر بلگرامی	ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن	۸۳
شاہ ولی اللہ دہلوی کے مخطوطات : خدابخش لائبریری میں	جناب سلیم الدین احمد	۹۱
تصحیح و اضافہ : مسامحات مرآۃ العلوم' جلد سوم	پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی	۱۰۳
مراسلہ : علی ابراہیم خاں کے سلسلے میں : استدراک	نواب زادہ جناب سید وارث اسمٰعیل	۱۱۱
دانشوری / مطبوعات جدیدہ : ششماہی 'افکار' علیگڑھ (ایڈیٹر : ابوالکلام قاسمی)	ادارہ	۱۱۵
'بے نام' — کلام سرشار صدیقی	ادارہ	۱۱۷
مراسلہ : محسن کتابوں کے بارے میں	جناب اختر راہی	۱۲۲

●●

اس شمارے کے لکھنے والے

- **نواب زادہ سید وارث اسمٰعیل:** (پ ۱۹۰۹ء) خان بہادر نواب سید محمد اسمٰعیل کے فرزند، جوانی سیاسی، سماجی کاموں میں گزری۔ ۱۹۳۲ء میں مدرسہ سلیمانیہ، پٹنہ سٹی کے سکریٹری ہوئے اور ۱۹۷۰ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد ۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۰ء خدا بخش لائبریری کی مجلس انتظامیہ کے ممبر رہے۔ فی الحال خانہ نشیں ہیں۔

- **جناب اختر راہی:** (پ ۱۹۴۷ء)، ایم۔ اے (سیاسیات و تاریخ)، بی۔ ایڈ، گورنمنٹ کالج مری کے شعبۂ تاریخ سے منسلک ہیں۔ آپ کی تصانیف میں 'مسعود عالم ندوی' (سوانح و مکاتیب)، 'تذکرہ مصنفین درس نظامی'، 'مکتوبات صدر یار جنگ' اور 'کتاب نامہ شبلی' قابل ذکر ہیں۔

بقیہ کے لئے ملاحظہ ہو 'جرنل' شمارہ '۱۲'، ۲۰ اور ۲۴

'محمد حسین آزاد: بحیثیت محقق' قبل ازیں 'نوائے ادب' بمبئی ۴۳-۱۹۴۲ء میں شائع ہوا تھا

محمد حسین آزاد

بحیثیت محقق

قاضی عبدالودود

حرفے چند

قاضی صاحب کے کارناموں کو ان کی خواہش کے مطابق یکے بعد دیگرے پیش کرنے کا منصوبہ بن گیا جس میں اوّلیت مختصر / مستقل بالذات تحریروں کو دی جاتی تھی۔ ان میں بحیثیت محقق محمد حسین آزاد، عبدالحق اور غالب کا جائزہ تھا؛ کلام دلدار اور دیوان رضا عظیم آبادی کی تدوینات تھیں؛ اور ایک منتخب مجموعہ "اثبات بہار" کی ترتیب تھی جس میں ان کی ہر نوع کی ایک تحریر شامل رہے۔ بحیثیت محقق محمد حسین آزاد والا جائزہ اور دیوان رضا کی تدوین، مکتبہ جامعہ کے لائق سربراہ شاہد صاحب کی جانسوزی سے جنوری میں قاضی صاحب کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھیں۔ اثبات بہار کی وہ صرف پہلی کاپی دیکھ پائے (کہ یہ ابھی کتابت کی منزلوں سے گزر رہی تھی)۔ رہے نام ذات حق کا! اور رہے نام حق کی جستجو کرنے والے اس بے لاگ محقق کا جس نے سچ کی تلاش میں، سچ سننے، سچ دیکھنے اور سچ کہنے کی ایک بار قسم کھائی تو موت تک اس کو نبھا دیا!! سچ، صرف سچ، اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں!!

عابد رضا بیدار

۱۵ فروری ۱۹۸۴ء

اکثریت آزاد کی انشا پردازی کی معترف ہے مگر یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ وہ تحقیق کے مرد میداں تھے۔ اقلیت مصر ہے کہ وہ صرف ایک بڑے انشا پرداز ہی نہیں، ایک بڑے محقق بھی تھے۔ اس کتابچہ میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حق کس کی طرف ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کہ کل مطالب نئے ہیں اور اس کا اقرار ہے کہ ان کی ترتیب بہتر ہو سکتی تھی۔

آب حیات = الف کے جس نسخے کے صفحوں کے حوالے دیے گئے ہیں وہ مطبوعہ ۱۹۱۷ء ہے؛ لیکن ایسے مقامات کا جن میں چھاپے کی غلطی کا احتمال ہو سکتا تھا، نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۶ء سے مقابلہ کر لیا گیا ہے۔ آزاد نے اشعار کو غلط طور پر جو منسوب کیا ہے اس کا ذکر مجملاً کیا گیا ہے، تفاصیل "آوارہ گرد اشعار" میں ملیں گے۔ 'انجمن' سے انجمن ترقی اردو 'م' سے کتب خانہ مشرقیہ خدابخش پٹنہ 'و' سے ورق، اور 'نول' سے نولکشور مراد ہے۔

(ا)

(۱) خالق باری کو امیر خسرو سے منسوب کیا ہے اور بی چمو (حافظ) کی زبان سے کہا ہے: "بھٹیاری کے لڑکے کے لیے خالق باری لکھ دی، ذرا لونڈی کے نام پر بھی کچھ لکھ دو گے تو کیا ہوگا؟" الف ص ۲۷۔ خالق باری جیسا کہ شیرانی کی تحقیقات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے، امیر خسرو سے کچھ تعلق نہیں رکھتی۔ آزاد کے زمانے میں یہ بات کہ امیر خسرو اس کے مصنف ہیں، شہرت عام رکھتی تھی، اس لیے آزاد اسے باور کرنے کے لیے زیادہ قابل الزام نہیں، لیکن بھٹیاری والی حکایت خود ان کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) خسرو بی چمو کے یہاں حقہ پیا کرتے تھے الف ص ۲۶۔ تمباکو خسرو کے زمانے میں ہندوستان میں نہ تھا؛ یہ بات عام طور پر معلوم ہے۔ حقے سے کچھ اور مراد ہے تو آزاد کو اس کی وضاحت کرنی تھی۔

(۳) ولی کا "ابتدائی عہد شاید عالمگیر کا آخری زمانہ ہوگا" الف ص ۹۳۔ ولی کو سال ولادت نامعلوم ہے

مگر اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی ہے (رجوع بہ ولی گجراتی مصنفۂ جناب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی ص۸۱)۔ عالمگیر ۱۱۱۸ھ میں فوت ہوا ہے۔ آزاد کا قول صریحاً غلط ہے۔

(۴) ولی کا رسالہ نور المعرفت تصوف میں ہے الف ص۹۳۔ یہ رسالہ چند سال ہوئے طبع ہو چکا ہے، اس کا موضوع تصوف نہیں۔

(۵) دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین   جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

الف ص۹۳ میں ہے کہ ولی "کبھی کبھی.. حافظ کی طرح بادشاہ وقت کے نام سے.. شعر کو شان و شکوہ دیتے تھے.. ولی کی تصنیفات میں سے ایک غزل میں کہتے ہیں: دل ولی الخ" ولی کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی تھی، تو ظاہر ہے کہ اس کے کسی شعر میں محمد شاہ کا نام نہیں آ سکتا، اس لیے کہ اس کا سال جلوس ۱۱۳۱ھ ہے۔ شعر کا مصرع یوں ہے: "اس گدا کا دل لیا دلی نے چھین" اور یہ مضمون کا ہے (گلشن لد ص۱۹ چمنستان شعرا ص۳۵۷)

(۶) از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے   در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

الف میں ہے کہ انشا کی دریائے لطافت میں امید کی طرف منسوب ہے ص۱۳۲ یہ غلط محض ہے، انشا نے اسے فطرت کے نام سے لکھا ہے (دریائے لطافت انجمن ص۳۵ و دیگر نسخ)

(۷) مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا   مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

الف ص۱۳۲ میں بنام آرزو، لیکن کلیات میر ومرتبۂ آسی ص۷۴ میں ہے، اور نکات الشعرا ص۹۶ گلزار ابراہیم م، مجموعۂ نغز ۲ ص۲۳۲ تذکرۂ حسن ص۱۷۵ اس کے مصدق ہیں۔

(۸) سراج الدین علی خاں آرزو نے قاضی القضات کا عہدہ دربار شاہی سے حاصل کیا، الف ص۱۳۲۔ آرزو کا عہدۂ قضا سے سروکار نہیں رہا۔ موہان کے ایک بزرگ جن کا لقب سراج الدین علی خاں تھا، کلکتہ میں قاضی القضات تھے، آزاد نے آرزو کو قاضی القضات بنا دیا۔

(۹) مضمون اپنے استاد آرزو سے عمر میں بڑے تھے الف ص۱۰۱، یہ دور از قیاس ہے اور اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(۱۰) الف ص۱۴۵: "جد مرحوم ایک اُردو کا شعر ان (مظہر) کے نام سے پڑھا کرتے تھے:

ہوں تو سنی پر علی کا صدق دل سے ہوں غلام   خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

یہ شعر معروف کے مطلع ذیل سے جو دیوان دوم میں ہے (تفاصیل معیار پٹنہ شمارۂ ۳ ص۱۹۸) بہت مشابہ ہے اور غالباً اسی کی تبدیل شدہ صورت:

ہوں تو سنی پے علی سے دوستی جانی مجھے   خواہ ایرانی کہو اور خواہ تورانی مجھے

(۱۱) "اس قتل کا سبب.. مشہور تھا کہ.. ساتویں کو علم اٹھے تھے، یہ (مظہر) سر راہ اپنے بالاخانے پر.. مریدوں کو لیے بیٹھے تھے.. شاید طرفین سے کچھ کچھ طعن و تعریض ہوئے ہوں، وہ کسی جاہل کو ناگوار ہوئے۔ ان میں کوئی سنگ دل، فولاد خاں نام سخت جاہل تھا، اس نے یہ حرکت کی، لیکن حکیم.. قاسم اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ مرزا.. اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مدح میں کہا کرتے تھے، اس پر بگڑ کر کسی سنی نے یہ حرکت کی:

بکرد مظہر اطاعتے در رفت بخاک
نجات خود بتولائے بوتراب گذاشت

عبارت حاشیہ: "عجب مشکل ہے۔ حکیم صاحب.. خوش اعتقاد سنت جماعت تھے، وہ کہتے ہیں کہ سنی نے مارا، لوگ کہتے ہیں شیعہ نے مارا۔ خیر سنی شیعہ آپس میں سمجھ لیں۔ میرا کام اتنا ہی تھا جو کچھ پایا کاغذ کے حوالے کیا" الف ص ۱۴۴

آزاد جو کچھ پاتے اسے حوالۂ کاغذ کرتے تو اس سے کیا بہتر تھا، لیکن جیسا کہ شیرانی نے دیباچۂ مجموعۂ نغز میں لکھا ہے، قاسم کا "منشا بالکل برعکس ہے" قاسم کی عبارت یہ ہے "ظالمے ناحق شناس در ایام.. عاشورہ بہ تعصب مذہب بے تحقیقت کار، نابردہ کہ وے غریق حب جناب مرتضوی بود، چنانچہ بعضے اشعار آبدارش خاتمہ ایں بیت: "بکرد مظہر الخ" بر بیگناہیش گواہی دہد، بیگناہ شہید ساختہ" (مجموعۂ نغز ۳ ص ۱۹۹) اس عبارت کا مطلب اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ قاتل بے سبب مظہر کو حضرت علی کا دشمن سمجھتا تھا۔ آزاد نے مظہر کے جو اشعار مدحیہ نقل کیے ہیں، وہ کسی متشدد سنی کی نظر میں بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ ان کی وجہ سے، یا ایسے ہی دوسرے اشعار کی بناء پر کوئی سنی انہیں گردن زدنی قرار دے۔ آزاد کے دفاع میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے حافظے نے دھوکا دیا، مجموعۂ نغز کا ایک نسخہ خود ان کے پاس تھا اور وہ جب چاہتے اس کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔ آزاد کا نسخہ اب بھی کتب خانۂ دانش گاہ پنجاب میں موجود ہے۔

(۱۲) "افسوس ہے اہل وطن کے خیالات پر جنھوں نے.. از روئے اعتقاد آخر میں ایک طرہ اور بڑھایا یعنی قاتل ہم جوانی صبیح و ملیح بود کہ بہ تیغش جاں سپردند۔ یا شاید ایسا ہی ہو، عالم الغیب خدا ہی" الف ص ۱۴۲۔ اگر آزاد اسے غلط نہیں سمجھتے کہ مظہر کے قتل میں ان کی حسن پرستی کو دخل تھا، تو اظہار افسوس کی وجہ سمجھ میں نہ آئی لیکن سوال یہ ہے کہ عبارت فارسی جو اس طرح پیش ہوئی ہے کہ گویا بجنسہ کسی دوسرے شخص کی تحریر سے نقل ہوئی ہے، کس نے لکھی ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ یہ آب حیات کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتی۔ "از روئے اعتقاد" خاص طور پر شایان التفات ہے، آزاد یہ الفاظ اس لیے لائے ہیں کہ پڑھنے والے صاحب عبارت کو سنی تصور کریں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک فرد واحد صبیح و ملیح دونوں کس طرح ہو سکتا ہے۔

(۱۳) سودا کا ایک قطعہ الف ص ۱۳۳ اور کلیات کے بعض قلمی نسخوں میں ہے، جس میں مظہر کے اشعارِ ریختہ کی نسبت کہا گیا ہے کہ "کتا ہے دھوبی کا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" آزاد لکھتے ہیں کہ "نکتہ اس میں یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک دھوبن گھر میں ڈال رکھی تھی" میرزا مظہر شاعر ہی نہیں، صوفی بھی تھے، اور بہتوں کو ان سے عقیدت بھی اور ہے۔ ایسے شخص کے متعلق ایسی بات کسی سند کے بغیر درجِ کتاب کرنا کسی طرح لائقِ ستائش نہیں۔

(۱۴) عالمگیر لے جان جاناں نام رکھا الف ص ۱۳۸ ۔ اس سے قطع نظر کہ عالمگیر نے نام رکھا یا نہیں، صحیح نام جان جاں ہے اور یہ مسلمات سے ہے (نکات الشعرا ص ۸۳، و دیگر کتب) اگر اصلی نام کی جگہ غلط نام ان کے زمانے میں مشہور بھی ہو گیا تھا، تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو سکتا ہے کہ ولادت کے وقت یہی نام رکھا گیا تھا۔

(۱۵) حاتم "۹۶ برس کی عمر میں ماہ رمضان ۱۲۰۷ھ میں .. فوت ہوئے .. مگر مصحفی نے تذکرۂ فارسی میں لکھا ہے کہ ۱۱۹۶ھ میں فوت ہوئے اور ۸۳ برس کی عمر پائی الف ص ۱۱۹ مصحفی نے ۱۱۹۶ھ نہیں، "یک ہزار و نود و ہفت" لکھا ہے ص ۲۳ اور ان کا نکالا ہوا مادۂ تاریخ: "آہ صد حیف شاہ حاتم مرد" بھی اسی پر مشعر ہے (عقد ثریا ص ۲۴)

(۱۶) آزاد باوجود اس کے کہ مصحفی کا قول ان کے سامنے ہے (اور انھوں نے عقد ثریا کو غور سے پڑھا تھا تو انھیں یہ معلوم ہو گا کہ مصحفی سالِ ولادتِ حاتم سے .. بےخبر نہ تھے اور ان کی وفات کے وقت دہلی میں موجود تھے)، ۱۱۹۷ھ پر ۱۲۰۷ھ کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ ظاہراً اس کی کوئی سند ان کے پاس نہیں۔ صحیح وہی ہے جو مصحفی نے لکھا ہے، اس کی بحث معاصر ۲ ص ۲۳ میں ملاحظہ ہو۔

(۱۷) سودا کے والد "میرزا یان کابل سے تھے" الف ص ۱۴۸، یہ بعض تذکروں میں ہے، لیکن کسی ایسے تذکرے میں جس کا مصنف سودا سے اچھی طرح واقف ہے، نہیں ملتی۔ سودا کابلی مغل ہوتے تو ہاتف کے باپ کے متعلق یہ نہ لکھتے: "وہ خرس اگر مغل کوئی ہو گا تو کابلی" (کلیات اشاعت آسی ص ۱۱۴)، صاحب باغ معانی (نسخۂ دوم) جس کے سودا سے ذاتی تعلقات تھے لکھتا ہے کہ "اصلش از بخاراست یکے از اجدادش بہ ہندوستان آمدہ در .. دہلی .. توطن اختیار نمود" (معاصر ۲ ص ۱۱۰)

(۱۸) سودا کے والد "بطریق تجارت وارد ہند ہوئے" (الف ص ۱۴۹ اس کی تردید باغ معانی کی اس عبارت سے ہوتی ہے جو ۱۷ میں نقل ہوئی ہے۔

(۱۹) سودا ۱۱۲۵ھ میں پیدا (الف ص ۱۴۸، اس سے اس موقع پر بحث منظور نہیں) اور بعمر تقریباً ۷۰ سال ۱۱۹۵ھ میں ــــ ے ص ۱۵۱، لیکن ص ۱۳۶ میں عمر ۷۵ برس، تضاد صریح ہے اور اسی کی نشاندہی مقصود ہے۔

(۲۰) نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے نہیں ہے اعتبار اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

(الف صـ۴۹۴ میں بنام سودا اور یہ ٹھیک ہے (کلیات صـ۲۰۴)، لیکن صـ۱۷۶ میں بنام میر

(۲۱) بگولے سے جسے آسیب اور جھرجھری سے زحمت ہو — ہماری خاک یوں برباد ہوائے ابرِ رحمت ہے
ثابت، شاگرد فدوی کا مطلع ہو اور گلزار ابراہیم، (نسخۂ دوم) یکے از مآخذ آزاد اور تذکرۂ عشقی عظیم آبادی، نسخۂ راقم دونوں میں "برباد ہو" کی جگہ "اڑتی پھرے" ہے۔ آزاد نے اسے الف صـ۱۷۶ میں سودا اور صـ۴۹۴ میں میر کے نام سے لکھا ہے۔

(۲۲) وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں — اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
الف صـ۱۳۳ میں بنام سودا، اور مطبوعہ کلیات سودا صـ۱۰۹ میں پوری غزل موجود ہے، لیکن، لیکن یہ ایک نہایت نامعتبر خطی نسخے پر مبنی ہے، قابلِ اعتبار نسخے اس سے خالی ہیں۔ تذکرۂ حسن صـ۱۳۶ و گلزار ابراہیم وغیرہ میں شیدا، شاگرد سودا کے نام سے ہے اور کوئی معقول وجہ اس کی نہیں کہ وہ اس کا مصنف نہ سمجھا جائے۔

(۲۳) قائم سودا کے شاگرد ہونے کے بعد ان سے پھرے، سودا نے انھیں ٹھیک کیا الف صـ۱۵۶ فوقی کی جو ہجو کلیات سودا میں ہے، قاسم کے قول کے مطابق دراصل قائم کی ہجو ہے (کلیات کے بعض خطی نسخوں کے عنوان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، لیکن، نہ ہجو سے اس کا پتا چلتا ہے اور نہ آزاد کے سوا کسی اور نے یہ لکھا ہے کہ قائم استاد سے برگشتہ ہو گئے تھے، اس لیے استاد نے ہجو کہی۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہ سلسلۂ تلمذ پیدا ہونے سے قبل کی ہو۔

(۲۴) برابری کا تری گل نے جب خیال کیا — صبا نے مار طمانچے منہ اس کا لال کیا
الف صـ۱۷۶ میں بنام سودا، لیکن اس کا ثبوت موجود نہیں۔ تذکرۂ قدرت اللہ، شوق میں یہ مطلع فتح چند، ممنون کے نام سے ہے اور بعض مجموعوں میں پوری غزل حیدری کی طرف منسوب ہے۔

(۲۵) سودا ۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے، نواب شجاع الدولہ کی ملازمت حاصل کی" الف صـ۱۵۱ اس زمانے میں اودھ کا دارالحکومت فیض آباد تھا، اسے چھوڑ کر لکھنؤ جانا خارج از بحث ہے۔ زمانے سے دوسری جگہ بحث کی جائے گی۔

(۲۶) تو فخر زمانہ دفے ساقط ازو — گوہر بدہاں داری ورے ساقط ازو
ہر روز و شبے من از خدا می طلبم — مرکب دہرت و لے کہ بے ساقط ازو
یہ رباعی جس کا مصنف نامعلوم ہے "تذکرۂ تقی کاشی کی اس جلد میں ہے جو میں ہے و ۳۲۸۹ - یہ تذکرہ گیارھویں صدی ہجری کے نصف اول میں مکمل ہوا اور اس کا خطی نسخہ اسی زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔ آزاد نے الف صـ۱۶۸ میں لکھا ہے کہ سودا نے یہ رباعی کمیں کی ہجو میں آصف الدولہ کے سامنے

فی البدیہہ پڑھی تھی۔ الف میں الفاظ کسی قدر مختلف ہیں۔

(۲۷) رستم رہا زمیں پہ نہ سام رہ گیا — مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

الف ص ۱۴۱ میں بنام سودا اور پوری غزل کلیات سودا مطبوعہ ص ۳۷ میں ہے، لیکن معتبر خطی نسخے اس سے خالی ہیں۔ گلزار ابراہیم میں سوز کے نام سے ہے اور مکمل غزل دیوان سوز کے دو نسخوں (مملوکہ جناب علی حیدر و نسخۂ کواتھ) میں میری نظر سے گذری ہے۔

(۲۸) کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ — کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

الف ص ۱۰۲ میں بنام سودا اور کلیات مطبوعہ ص ۱۳ میں اسی طرح، لیکن قائم کا شعر (بہ تبدیل بعض الفاظ) ہے جو دیوان قائم (نسخۂ انڈیا آفس لندن اور تذکرۂ قائم ص ۹۰ میں موجود ہے۔

(۲۹) مرزا سودا کا لڑکپن تھا اور "میر جعفر زٹلی" کا بڑھاپا۔ "ایک دن شام کے قریب میر موصوف ایک سبز رنگ جریب ٹیکتے ٹہلنے کو باہر نکلے۔ مرزا بغل میں کتابوں کا جزدان لیے سامنے سے آتے تھے۔۔ جھک کر سلام کیا، انھوں نے خوش ہو کر دعا دی، چونکہ چھٹپنے ہی میں مرزا کی موزونی طبع کا چرچا تھا، میر صاحب کچھ باتیں کرنے لگے، مرزا ساتھ ہو لئے۔ انھوں نے کہا۔۔ ایک مصرع پر مصرع تو لگاؤ۔۔ "لالہ در باغ داغ چوں دارد" مرزا نے سوچ کر کہا۔۔ "عمر کوتاست غم فزوں دارد" میر صاحب نے فرمایا، واہ۔۔ دن بھر کے بھوکے تھے، دکھا گئے۔ مرزا نے پھر کہا۔۔ "از غم عشق سینہ خوں دارد" میر صاحب نے فرمایا۔۔ دل خون ہوتا ہے، جگر خون ہوتا ہے، بھلا، سینہ کیا خون ہوگا؟ سینہ پر زخم ہوتا ہے۔ مرزا نے پھر ذرا فکر کیا اور کہا۔۔ "چہ کند سوزش دروں دارد" میر صاحب نے کہا۔۔ ٹھیک ہے، لیکن طبیعت پر ذرا زور دے کر کہو۔ مرزا دق ہو گئے تھے، جھٹ کہہ دیا۔۔ "یک عصا سبز زیر کوں دارد" میر جعفر ہنس پڑے اور جریب اٹھا کر کہا کیوں ہم سے بھی! دیکھ کہوں گا تیرے باپ سے۔ بازی بازی، بریش بابا ہم بازی، میرزا لڑکے تو تھے ہی، بھاگ گئے" الف ص ۱۴۲۔

تذکرۂ میر حسن ص ۵۲ میں ہے کہ میر جعفر زٹلی بیدل کے یہاں گئے وہ فکر سخن میں تھے، متکفر بیٹھے، انھیں معلوم ہوا کہ بیدل "لالہ بر سینہ الخ" پر مصرع لگانا چاہتے ہیں تو بولے کہ تامل کیا ہے "چوبکے سبز زیر۔۔ دارد"۔ انشا نورتن مطبوعہ نول ص ۱۰۶ میں ہے کہ اکبر نے "لالہ الخ" کہا امیر خسرو نے یہ مصرع لگایا: "عمر کوتاہ و غم فزوں دارد"۔ لطائف عجیبہ مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی مرحوم کی کسی جلد میں اس پر یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ بیربل نے تیسرا مصرع "چوبکے سبز الخ" کہا ممکن ہے "یک عصا الخ" اس کی جگہ ہو، (کتاب اس وقت پیش نظر نہیں)۔ آزاد کی حکایت اختراعی ہے۔

(۳۰) عظیما کشمیری استاد کمیں الف ص ۱۲۹، انیس الاحبا مصنفہ انیس نسخۂ م ۷،۵ و ۸، وغیرہ میں صراحتہً مرقوم

ہے کہ عہد محمد شاہ میں اصفہان سے ہندوستان آئے۔ ان کا تخلص اکسیر تھا۔

(۳۱) فدوی نے "احمد شاہ کی تعریف میں قصیدہ کہا تو بادشاہ نے ہزار روپیہ نقد اور گھوڑا اور تلوار انعام دی" الف ص ۱۵۵ ۔ فدوی کا دہلی جانا ہی ثابت نہیں، قصیدہ خوانی کا کیا سوال ہے، اس امر کا بھی کہ کسی اور جگہ قصیدہ پڑھا، ثبوت موجود نہیں

(۳۲) فدوی کو اخیر میں لکھنؤ جانا پڑا الف ص ۱۵۵ ۔ سودا و فدوی کا جھگڑا فرخ آباد میں ہوا، ان کا لکھنؤ جانا مطلقاً ثابت نہیں۔

(۳۳) عندلیب کا رسالہ "نالۂ عندلیب" الف ص ۱۸۲ ام کا خطی نسخہ بڑی تقطیع کے ۱۶۱۵ صفحات پر ہے، ہر سطر ۲۵ سطروں کا ہے و ۳ کی ایک سطر کی عبارت یہ ہے: " برائے شکار شیر و پیدا دعیاں گر دین کیفیت و ماہیت ہنرمندی و سوارکاری و تیر اندازی آں یار دلیر و بیان حقیقت افتادن شاہ بامال و" یہ کتاب چھپ بھی گئی ہے۔ اسے آزاد ہی "رسالہ" کہہ سکتے ہیں۔

(۳۴) اشرف علی خاں نے شعر کے اشعار کا انتخاب کیا الف ص ۱۶۵ اشرف علی خاں نے شعرائے فارسی کا تذکرہ لکھا تھا، ناقص خطی نسخہ رامپور میں موجود ہے۔ سودا نے بھی اسے تذکرہ ہی بتایا ہے۔

(۳۵) معتبر لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ جب گنا بیگم، دختر قزلباش خاں، امید کے حسن و جمال... اور موزونی طبع کی شہرت ہوئی" الف ص ۲۹۴ ۔ گنا بیگم بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی بہت ہی مشہور عورت ہے اور علی قلی خاں شش انگشتی متخلص بہ والہ کی بیٹی تھی، یہ بات مجموعۂ نغز ۲ ص ۱۴۵ میں بھی ہے، مگر آزاد نے اس پر اعتماد نہ کیا اور زبانی روایت پر بھروسا کیا۔

(۳۶) دلہن بیگم ایک سیدزادی تھیں جنھیں محمد شاہ نے "بنظر ثواب خود بیٹی کر کے پالا تھا" یہ شجاع الدولہ کی بیاہتا بی بی اور آصف الدولہ کی ماں تھیں الف ص ۲۹۴ دلہن بیگم آصف الدولہ کی ماں نہیں بیاہتا بی بی کا لقب تھا اور یہ قمر الدین خاں وزیر محمد شاہ کی پوتی تھیں۔ ان کا حال اودھ کی تاریخوں میں ملتا ہے۔ شجاع الدولہ کی بیاہتا بی بی کا لقب بہو بیگم اور اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا، یہ موتمن الدولہ محمد اسحٰق خاں کی بیٹی تھیں اور محمد شاہ کے لے پالک نہ تھیں۔ یہ بھی مسلمات سے ہے کہ موتمن الدولہ سید نہ تھے۔ (تواریخ اودھ از کمال الدین حیدر ص ۱۹۵ وغیرہ)

(۳۷) ترجمۂ سوز الف ص ۱۹۹ : " یہ قطعہ بھی ایک خاص موقع پر ہوا تھا اور عجیب انداز سے پڑھا گیا:

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے — سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو — اہے رے رے رے ارے رے رے رے آ رے

چوتھا مصرع پڑھتے پڑھتے زمین پر گر پڑے، گویا پریزادوں کو دیکھتے ہیں.. ایسے بدحال ہوئے کہ "ارے رے رے" کہتے ہوئے غش کھا کر بیہوش ہو گئے" دیوان سوز (مملوکۂ جناب علی حیدر اور نسخۂ کوالتھ) اس قطعے سے خالی ہے اور یہ بہ تبدیل بعض الفاظ ظہور علی ظہور دہلوی (متوفی ۱۲۸۶ھ) شاگرد ذوق و احسان وغیرہ کے دیوان مطبوعہ صہ۱۰۵ میں موجود ہے۔ میرا خیال ہے کہ انھیں کا ہے اور اصلی شکل وہی ہے جو دیوان ظہور میں ہے۔

(۳۸) سوز کے صرف ایک بیٹے داغ کا ذکر کیا ہے الف صہ۱۹۵، حالانکہ سخن شعرا میں جو الف کی اشاعت سے قبل ہی چھپ چکا تھا، قدرت علی طپاں خلف سوز کا ذکر ہے صہ۳۰۲

(۳۹) آزاد نے اظہار افسوس کیا ہے کہ داغ کی کوئی غزل نہ ملی۔ الف صہ۱۹۵۔ گلزار ابراہیم میں جس کے دو نسخے بقول خود آزاد کی نظر سے گذرے ہیں (الف صہ۱۹۵) آہ تخلص کے تحت داغ کی تین غزلیں موجود ہیں۔ میر مہدی خلف سوز کا تخلص پہلے آہ تھا، بعد کو داغ اختیار کیا۔ دیوان سوز میں ان کا مرثیہ بھی ہے، بظاہر آزاد اس سے بے خبر ہیں۔

(۴۰) ضاحک کی وفات کے بعد سودا فاتحے کے لیے گئے۔ دیوان ساتھ تھا، بعد فاتحہ نوکر سے دیوان منگوا کر جو ہجویں ان کی کہی تھیں، سب چاک کر ڈالیں۔ میر حسن (پسر ضاحک) نے.. اسی وقت دیوان باپ کا گھر سے منگایا اور جو ہجویں ان کی تھیں وہ پھاڑ ڈالیں، لیکن چونکہ سودا کی تصنیف قلم سے نکلتے ہی بچے بچے کی زبان پر پھیل جاتی تھی.. سب قائم رہیں ان کا کلام کہ اسی مجلد کے اندر تھا مفقود ہو گیا" الف صہ۱۸۲ یہ حکایت جس طرح بیان ہوئی ہے، صحیح نہیں ہو سکتی۔ سودا ۱۱۹۵ھ میں فوت ہوئے ہیں اور ضاحک بقول صاحب گلزار ابراہیم ۱۱۹۶ھ میں زندہ تھے۔ اس سے آزاد بھی ناواقف نہیں (الف صہ۱۸۴)۔ تذکرۂ مسرت افزا صہ۹۸ میں ہے کہ میر حسن نے چاہا کہ سودا کی لکھی ہوئی ہجویں مشتہر نہ ہوں، اور سودا اس پر راضی ہوئے، لیکن سودا کے کلام کو وہ قبول عام حاصل تھا کہ اخفا کی کوشش ناکام رہی۔ تذکرۂ ناصر (م) میں ہے کہ میر حسن جب سودا کے شاگرد ہوئے تو" جو مزخرفات ان کے والد نے کہا تھا، دھو ڈالا، اس لئے وہ مشہور نہ ہوا" ایک توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ ضاحک کا اور کلام بھی بہ استثنائے بعض اشعار ناپید ہے۔

(۴۱) میر کی مثنوی "تنبیہ الجہال" کا نام صہ۲۱۱ الف میں تنبیہ الخیال مرقوم ہے۔

(۴۲) "اہل تحقیق" کے نزدیک فارسی میں وحشی یا فغانی اور اردو میں میر واسوخت کے موجد ہیں الف صہ۲۰۹۔ فارسی میں واسوخت کوئی مستقل صنف سخن نہیں۔ وحشی کے دیوان کی دو نظمیں جنھیں واسوخت کہا جا سکتا ہے، موجود ہیں، لیکن دیوان فغانی میں نہ ایسی کوئی نظم ہے اور نہ مجھے آزاد

اور ان کے مقلدین کے سوا ایسے اصحاب کا علم ہے جو فغانی کو واسوخت کا موجد سمجھتے ہیں۔

(۴۳) تحقیق پسند اصحاب کبھی اردو میں میر کو واسوخت کا موجد نہیں کہہ سکتے۔ میر کی ولادت ۱۱۳۵ھ میں ہوئی ہے اور آبرو ۱۱۳۶ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ آبرو کا واسوخت معاصر ستمبر ۱۹۴۹ء اور معاصر حصہ ۲ میں چھپ چکا ہے اور ان کے معاصر، ناجی کے واسوختوں کا ذکر فہرست اشپرنگر میں ہے۔ ایہام بندوں سے قطع نظر، سودا، حشمت اور تاباں کے واسوخت بھی موجود ہیں، اور اس صورت میں کہ یہ تینوں عمر میں میر سے بڑے تھے، کسی ثبوت کے بغیر یہ کس طرح مان لیا جا سکتا ہے کہ میر کا واسوخت ان واسوختوں سے زماناً مقدم ہے؟

(۴۴) میر نے دو واسوخت کہے الف ص ۲۰۹۔ کلیات میں ۳ نظمیں ہیں جن پر بے تکلف واسوخت کا اطلاق ہو سکتا ہے: ''طرز اے رشک چمن اب تری کچھ تازی ہے الخ'' ص ۸۳۸، ''یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی الخ'' ص ۸۴۴، ''ایک دن وے تھے کہ تم کو نہ قریب آتے تھے الخ'' ص ۸۴۸۔

(۴۵) خواہی پیالہ خواہ سبو کر ہمیں کلال — ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

الف ص ۲۱۳ میں بنام میر، لیکن کلیات میر اس سے خالی ہے اور تذکروں میں بھی ان کے نام سے نہیں، عظیم وغیرہ کے نام سے ہے۔ میر کا بہرصورت نہیں (تفاصیل ''آوارہ گرد اشعار'')

(۴۶) آزاد کے ماخذ گلزار ابراہیم و مجموعۂ نغز میں میر فیض علی، فیض خلف میر کا ذکر ہے، آزاد ظاہرا ان سے ناواقف ہیں۔

(۴۷) آزاد عرش، خلف میر سے ملے تھے، لیکن ان کا نام میر عسکری لکھتے ہیں (الف ص ۲۲۷) صحیح میر حسن عسکری (ریاض الفصحا تحت تخلص زار ص ۱۱۸، تذکرۂ ناصر، سراپا سخن ص ۱۳)

(۴۸) ''لکھنؤ کے چند عمائد اور اراکین'' ایک دن میر سے ملنے آئے۔ ''دروازے پر.. آواز دی، لونڈی یا ماما نکلی حال پوچھ کر اندر گئی، ایک بوریا لاکر ڈیوڑھی میں بچھایا، انھیں بٹھایا، اور ایک پرانا سا حقہ تازہ کرکے سامنے رکھ گئی۔ میر.. اندر سے تشریف لائے، مزاج پرسی وغیرہ کے بعد انھوں نے فرمائش اشعار کی۔ میر.. نے اول کچھ ٹالا، پھر صاف جواب دیا کہ.. میرے اشعار آپ کی سمجھ میں نہیں آنے کے۔ اگرچہ ناگوار ہوں مگر بنظر آداب واخلاق انھوں نے اپنی [illegible] کی۔ انھوں نے پھر انکار کیا۔ آخر ان لوگوں نے گراں خاطر ہو کر کہا کہ.. انوری و خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں، آپ کا ارشاد کیوں نہ سمجھیں گے۔ میر.. نے کہا کہ یہ درست ہے مگر ان کی شرحیں، مصطلحات اور فرہنگیں موجود ہیں، اور میرے کلام کے لئے فقط محاورۂ اہل اردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں، اور اس سے آپ محروم۔ یہ کہہ کر یہ شعر پڑھا:

عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

اور کہا کہ آپ بموجب اپنی کتابوں کے کہیں گے کہ خیال کی ی ظاہر کرو، پھر کہیں گے کہ ی تقطیع میں گرتی ہے، اگر... یہاں اس کے سوا جواب نہیں کہ محاورہ یہی ہے الف ص ۲۱۹

اس سلسلے میں امور ذیل توجہ طلب ہیں: (الف) حکایت کی کوئی سند موجود نہیں، تفصیلات کا انبوہ بجائے خود اسے مشتبہ بناتا ہے (ب) میر اتنے کج خلق اور مصلحت ناآندیش نہ تھے، جتنے اس حکایت سے ظاہر ہوتے ہیں (ج) میر کے عہد کا لکھنؤ اہل دہلی اور ان کے اخلاف سے مملو تھا، وہاں کے خواص یقیناً دہلی کے محاورات سے بے خبر نہ تھے، اور اس عہد میں دونوں مقاموں کی زبان میں اتنا فرق بھی نہ تھا، جتنا بعد کو ہوا (د) میر کے کلام میں محاورات و مصطلحات ملتے ہیں، لیکن ان کی عظمت کا مدار ان کے استعمال پر نہیں (ہ) میر کے کلام کا بہت بڑا حصہ اب بھی معمولی اردو جاننے والے سمجھ سکتے ہیں، میر کو ہرگز اس کے متعلق یہ غلط فہمی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل دہلی کے سوا کوئی اسے سمجھ ہی نہیں سکتا (و) خیال کی ی کا گرنا یا نہ گرنا زبان نہیں عروض کا سوال ہے (ز) عشق برے ہی الخ جس وزن میں ہے وہ ہند کا ایجاد ہے، فارسی عروض کی کتابوں میں یہ نہیں ملے گا اور اس وزن کے شعر فارسی میں نہیں، ظاہر ہے کہ اس کے زحافات بھی وہی ہوں گے جنھیں اہل ہند روا رکھتے ہیں۔

(ح) میر کا کلام جن لوگوں نے بالاستیعاب دیکھا ہے، وہ کبھی اسے تسلیم نہیں کر سکتے کہ میر اپنی زبان کو "جامع مسجد کی سیڑھیوں" کی زبان سمجھتے تھے۔ وہ تو اس کے بھی روادار نہیں کہ "اجلاف" شعر کہیں (کلیات ص ۸۲۵) (ط) میر کے زمانے میں لفظ خیال بر وزن فال زبانوں پر تھا، اس کا ثبوت موجود نہیں، نظم میں اس طرح بہت کم آیا ہے اور عموماً بر وزن نہال موزوں ہوا ہے۔ میر کے کلیات میں بر وزن بال صرف دو جگہ آیا ہے اور بر وزن نہال کم از کم ۲۶ جگہ (وہ اشعار جن میں خیال بترکیب فارسی آیا ہے، اس میں شامل نہیں): نہ کہہ کہ نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا ص ۷، میں تو اسی خیال میں بیمار ہو گیا ص ۱۶، دل سمجھانہ محبت کو کچھ ان نے کیا یہ خیال کیا، خون ہوا سب آپ ہی گیا جو عشق حسن و جمال کیا ص ۱۸، رہے خیال تنک ہم بھی رو سیاہوں کا ص ۲۰ پر مرے جی ہی کے خیال پڑا ص ۳۲ نہ پوچھ خواب زلیخا نے کیا خیال لیا ص ۳۲، اس کا خیال چشم سے شب خواب لے گیا ص ۳۵، ہر جگہ یاں خیال ہے کچھ اور ص ۴۲ کیسا چمن اسیری میں کس کو ادھر خیال ص ۸۶ (دو جگہ بطور ردیف) سارے ترا خیال رکھتے ہیں ص ۱۰۳، وگرنہ میں نہیں اب اک خیال اپنا ہوں ص ۱۱۴، اور کچھ اب جنھیں خیال ہیں ص ۱۱۷، یوں کوئی جی میں کچھ خیال رکھے ص ۱۲۷، جی میں کیا کیا خیال آتا ہے ص ۱۷۰، اس کا خیال جی میں ایسا خیال ان کا ص ۳۸۱، دل عجب شہر تھا خیالوں کا ص ۳۵۴، خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا ص ۲۳۳، ملا دکھواہ اب خیال اپنا ہو

ص۹۶، رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے ص۳۰۳، اک شب کیا تھا یار کی زلفوں کا میں خیال ص۲۵، جن کو نہیں ہے تیری محبت کا کچھ خیال ص۱۰۵، معاصر حصہ ۹ میں سودا وغیرہ کے کلام سے بھی خیال بر وزن نہال کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک جگہ آزاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ میر نے لفظ "خیال" میں "تصرف" کیا ہے، الف ص۲۱۶۔ اس صورت میں خیال بر وزن بال کو "محاورہ" کہنا ہی ٹھیک نہیں (ی) کلیات میں شعر کسی قدر اختلاف کے ساتھ ہے۔

(۴۹) درد کا سلسلۂ مادری خواجہ بہاء الدین نقشبند تک پہنچتا ہے الف ص۱۹۴۔ ناصر، نذیر، فراق مرحوم نے جو اختلاف درد سے ہیں، میخانۂ درد میں اس کی بدلائل تردید کی ہے، اور لکھا ہے کہ مادری کی جگہ پدری چاہیے۔

(۵۰) شاہ ہدایت الف ص۱۵۶ و ص۲۶۱۔ ہدایت اللہ خاں، ہدایت افغان تھے، انھیں "شاہ" آزاد کے سوا کسی نے نہیں لکھا۔

(۵۱) قائم درد کے شاگرد ہوئے مگر ان کے حق میں کچھ کہہ کر الگ ہوئے الف ص۱۵۶۔ یہ مسلم ہے کہ قائم اوائل میں درد کے شاگرد تھے، لیکن آزاد کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا کہ قائم نے ان کی ہجو کہی تھی۔

(۵۲) جرات کا سال وفات ۱۲۲۵ھ قطعۂ ناسخ کے بموجب لکھا ہے الف ص۲۳۹، لیکن، دیوان پروانہ و تذکرۂ بے جگر وغیرہ میں ۱۲۲۷ھ ہے۔ اس کی شہادتیں جو ۱۹۳۶ء تک میری نظر میں تھیں ایک مقالے ("سال وفات جرات") میں درج ہیں جو غالباً ۱۹۳۷ء میں رسالۂ اردو میں چھپا تھا۔ اس کے بعد دیوان کمال شاگرد جرات نسخۂ رامپور اور دیوان نوازش نسخۂ دوم کے قطعات تاریخ جن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ملے۔

(۵۳) ناسخ کا مصرع تاریخ: "ہائے ہندوستان کا شاعر موا" لکھا ہے الف ص۲۳۹، مگر اس پر غور نہیں کیا کہ ناموزوں ہے اور اس سے ۱۲۲۵ نہیں ۱۲۳۱ نکلتا ہے۔ کلیات ناسخ (مطبع مولائی ص۹ و دیگر نسخے مطبوعہ) میں اسی طرح ہے، لیکن ناسخ نے ہندستان بدون واو لکھا ہوگا۔ اس طرح مصرع موزوں بھی ہو جاتا ہے اور ۱۲۲۵ مستخرج ہوتا ہے۔

(۵۴)
وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیا	کھڑا اس پہ میں جان وارا کیا
کیا قتل اور جان بخشی بھی کی	حسن اس نے احساں دوبارہ کیا

الف ص۲۵۸ میں بنام میر حسن صاحب مثنوی مشہور لیکن، یہ اور اس زمین کے دو اور شعر جو الف ص۲۵۸ میں ہیں، خواجہ حسن کے ہیں (دیوان نسخۂ کلکتہ۔ شعر ثانی تذکرۂ شیفتہ ص۵۹)

(۵۵) الف ص۲۵۴ میں سالار جنگ کے بیٹے کا لقب سرفراز جنگ مرقوم ہے اور ص۲۵۸ میں گلزار ابراہیم سے

میر حسن کی جو عبارت منقول ہے اس میں بھی یہی ہے، لیکن، گلزار نسخۂ م میں سردار جنگ ہے، اور تذکرۂ میر حسن ص۸۵ اور مجموعۂ نغز ا ص۲۰۲ اس کا مؤید ہے۔

(۵۶) آزاد تذکرۂ گلزار ابراہیم کو اکثر "گلزار ابراہیمی" لکھتے ہیں الف ص۲۰۳ و ص۲۵۹ وغیرہ۔

(۵۷) الف ص۲۶۲ میں عظیم کی نسبت لکھا ہے کہ فقط "شد بود کا علم" رکھتے تھے اور یہ صحیح ہے، لیکن ص۲۶۱ میں انھیں ان شعرا میں شمار کیا ہے جو "نوشت خواند میں پختہ" تھے اور ص۲۰۸ میں انھیں قاسم وغیرہ کے ساتھ "علوم تحصیلی میں ماہر کامل" بتایا ہے۔ تناقض صریح ہے۔

(۵۸) قاسم، شاگرد ہدایت (مجموعۂ نغز ۲ ص۲۲۶) کو ص۲۶ و ص۲۰۸ الف میں تلمیذ درد کہا ہے۔

(۵۹) "سراج الدولہ دہلی سے مرشد آباد کے صوبہ دار ہو کر گئے الف ص۲۴۴۔ سراج الدولہ دختر زادۂ علی وردی خاں، پورب میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ یہیں رہے، ایک لمحے کے لئے ان کا دہلی جانا نہیں ہوا۔ وہاں سے متقرر ہو کر آنا غلط محض ہے (سیر المتاخرین، مظفر نامہ وغیرہ)

(۶۰) سراپا سخن میں ہے کہ مصحفی کے استاد امانی تھے الف ص۲۱۱، اس میں ہر جگہ "مانی" ص۵۷ وغیرہ۔ تذکرۂ ناصر میں بھی یہی ہے، مگر اسے تسلیم کرنے کے لئے قدیم تر سند کی ضرورت ہے۔

(۶۱) اس گل کے باغ میں جو حنا نے چلائی بات غنچوں نے مسکرا کے کہا ہم نے پائی بات
مصحفی نے "حنا" نہیں "صبا" لکھا تھا (دیوان ۲ نسخۂ م، مجموعۂ نغز ص۱۹۱)

(۶۲) "بات چلائی" پر آزاد کو یہ اعتراض ہے کہ یہ امروہہ کی زبان ہے الف ص۲۳۷۔ آزاد زندہ ہوتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ میر کے مصرعہائے ذیل کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ "قسم ہے میں نے اگر بات بھی چلائی ہو" (کلیات اشاعت آسی ص۱۲۳)، "رفتار کی جو تیری صبا نے چلائی بات" ص۲۵۶۔ "باد صبا نے اہل چمن بن بس ہے میرے ہی چلائی بات" ص۵۵۰

(۶۳) "سعادت علی خاں نواڑی میں لیٹے ہوئے میر انشا کی گود میں سر دھرا ہوا، سرور کے عالم میں دریا کی سیر کرتے چلے جاتے تھے۔ لب دریا ایک حویلی پر لکھا دیکھا: "حویلی علی نقی خاں بہادر کی" کہا کہ۔۔ بہت خوب مادہ ہے، اسے رباعی کر دو۔ اسی وقت عرض کی:

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی نہ سم کی نہ تال کی نہ سر کی
یہ تاریخ کہی ہے کسی لڑکی کی حویلی علی نقی خاں بہادر کی" الف ص۲۸۶

یہ نظم کلیات انشا (نول کشور) میں ہے، لیکن، اس کا سعادت علی خاں کی فرمایش سے کچھ تعلق نہیں۔ "حویلی الخ" سے ۱۲۲۷ نکلتا ہے اور جیسا کہ میرے ایک مقالے سے جس کا عنوان ہے "کچھ انشا کے بارے میں" اور جو نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے، ثابت ہے، انشا اس

سے پیشتر سعادت علی خاں کے یہاں سے برطرف ہو چکے تھے۔ حکایت اشعار بالا کو دیکھ کر وضع کی گئی ہے۔ انھیں رباعی کہنا بھی صحیح نہیں۔

(۶۴) "شیر برنج" الف ص۲۶۵ یہ نام صحیح نہیں، "شیر د برنج" چاہیئے، جیسا کہ خود مثنوی میں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ انشا نے مثنوی ادلی کا تتبع کیا ہے۔ شیر و برنج جیسا کہ قاسم نے لکھا ہے (ص۱۸)، نان وحلوائے بہائی کا جواب ہے خود انشا بھی یہی کہتے ہیں (دیوان نول ص۳۳۹)

چون بہائی نان و حلوا گفتہ بود　　گوہر معنی ز ہمت سفتہ بود

نسخۂ شیر و برنجش از جواب　　گفتہ انشا ہم بلے با آب و تاب

آزاد کا یہ قیاس کہ بچپن کا کلام ہے (ص۲۶۶)، غلط محض ہے۔ انشا نے اس کا سال تصنیف "خروش سوختہ ایم" سے نکالا ہے = ۱۲۰۵ (دیوان ص۳۴۰)۔ ۱۲۰۵ھ میں ان کی عمر ۳۵ سے کم نہ تھی۔ عبد سراج الدولہ (۱۱۶۹ھ تا ۱۱۷۰ھ) میں صاحب گلزار ابراہیم نے انھیں مرشد آباد میں دیکھا تھا۔

(۶۵) "سید انشا پھرتے چلتے دلی میں آئے تھے، اور کچھ عرصہ رہے تھے اور جو لوگ ان معرکوں میں ان کے رفیق تھے، (معرکۂ مصحفی و انشا) ان میں سے اکثروں نے دلی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، چنانچہ ایک موقعہ پر مصحفی نے یہ قطعہ کہا جس کے چند شعر ساتویں دیوان میں ہیں۔

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہل زباں ہیں　　دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں"

آزاد نے، اشعار درج کیے ہیں الف ص۲۹۲۔ معرکۂ مصحفی و انشا سے جو کلام متعلق ہے وہ دیوان سوم و چہارم میں ہے، اس لیے ان اشعار کا دیوان ہفتم میں ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس جھگڑے سے انھیں کچھ سروکار نہیں۔ مصحفی کا وطن بھی دہلی نہ تھا، اور وہ انشا کو جو اصلی دہلی والے تھے اور جو کئی سال وہاں رہے بھی تھے، یہ طعنہ نہیں دے سکتے تھے کہ انھوں نے دہلی نہیں دیکھی۔ یہ اشعار ایک قطعے کے نہیں، ایک قصیدے کی تمہید کے ہیں جو منقبت میں ہے اور معاصر (دور قدیم) کے کسی شمارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ تمہید میں ممکن ہے کہ تاریخ وغیرہ کی طرف اشارہ ہو۔

(۶۶) تعالی اللہ خاں انشا کا نوجوان بیٹا مر گیا، حواس باختہ ہو گئے، سعادت علی خاں کو سر راہ سخت کہا، انھوں نے تنخواہ بند کر دی ص۲۹۵۔ کلیات انشا مملوکہ جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی میں خود انشا اور دوسرے شعرا کے کہے ہوئے قطعات تاریخ وفات ہیں جو میرے مقالے "سید تعالی اللہ خاں خلف انشا" (شاعر جولائی ۱۹۴۶ء) میں شامل ہیں۔ پہلے قطعے کے بعض اشعار یہ ہیں:

نور چشم سید انشا کہ بود　　نام او سید تعالی اللہ خاں..

در سنین عمر خود تا ہشت سال　　کرد گلگشتے بہ گلزار جہاں..

روز بست داشتم از ذی حجہ بود   کز جہاں بگذشت آں سرو جہاں
سال تاریخش ز ہاتف خواستم   گفت "بو برگ گلم آمد خزاں" = ۱۲۱۷ھ

(مصرع تاریخ اس پر مشعر ہے کہ قطعہ خود انشا کا ہے۔ غیر "بو برگ گلم" نہیں کہہ سکتا۔ مگر انشا نے اسے اس طرح لکھا ہے کہ اس مصرع سے قطع نظر، دوسرے کی زبان سے ہے) یہ بات تو اس قطعے سے ثابت ہے کہ لڑکے کی عمر ۸ برس تھی اور ۱۲۱۷ھ میں مرا ہے! انشا کو اس کے بہت بعد سعادت علی خاں نے برطرف کیا ہے۔ میرے اس مقالے سے ثابت ہے جس کا ذکر (۳۸) میں ہے۔

(۴۷) سلیماں شکوہ اس زمانے میں جب سودا و ضاحک زندہ تھے، لکھنؤ پہنچ چکے تھے۔ الف ص ۱۲۳، سودا کا سال وفات ۱۱۹۵ھ ہے۔ اس کے دس برس بعد سلیمان شکوہ لکھنؤ گئے ہیں۔ (تواریخ اودھ از کمال الدین حیدر و دیگر کتب)

(۴۸) سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیتے تھے، "جب سید انشا پہنچے تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا" اور یہ انشا کے شاگرد ہو گئے الف ص ۲۶۰۔ خود مصحفی نے تذکرۂ ہندی ص ۱۲۱ میں لکھا ہے کہ انشا کے کہنے سے سلیمان شکوہ کے یہاں میرا گذر ہوا (تفاصیل "مصحفی و انشا" از راقم شائع کردہ اردو ادب)

(۴۹) "راسخ عظیم آبادی کا دیوان میں نے دیکھا ہے۔۔ پرانے مشاق تھے۔۔ مرزا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے، مرزا نے کہا کوئی شعر سنایئے، انھوں نے پڑھا:

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے   پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارہ ہے
سودا نے اٹھ کر گلے لگا لیا، ص ۱۷۰

(الف) نوائے وطن، مصنفۂ شاد عظیم آبادی میں راسخ کا سال ولادت ۱۱۶۲ھ مرقوم ہے، لیکن اس کی سند مصنف کے پاس نہیں۔ عبرتی عظیم آبادی جو ماۃ سیزدہم کے عشرۂ دوم کے اواخر میں پیدا ہوئے تھے اور جنھوں نے راسخ کا زمانہ پایا ہے، ان کی عمر ۷۰ سال اور سال وفات ۱۲۳۶ھ بتاتے ہیں (ریاض الافکار) عبرتی سے سال وفات میں غلطی ہوئی ہے، صحیح ۱۲۳۸ھ ہے۔ مصنف تذکرۂ مسرت افزا ۱۱۹۲ھ میں پٹنہ آیا تھا اور دوران تصنیف تذکرہ میں اس کے بعد بھی یہاں پہنچا تھا، (سال اختتام ۱۱۹۵ھ) وہ لکھتا ہے کہ فدوی کا یہ نوجوان شاگرد پٹنہ میں مجھ سے اکثر ملتا رہتا تھا۔ رائے یہ ہے کہ غنیمت است و چیزے شدنی معلوم میشود" ص ۳۔ کل متعلق امور پر غور کرنے کے بعد میرا قیاس ہے کہ راسخ ۱۱۷۱ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔

(ب) م میں خود راسخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان ہے، اس کے ایک شعر سے جو دیوان کے کسی اور نسخے میں نہیں ہے، تلمذ فدوی ثابت ہے: –

شاگرد ہیں گے حضرت فدوی کے بے شمار　　راسخ ہوں ایک میں بھی ولے کس شمار میں د

تذکرۂ عشقی عظیم آبادی، ہمعصر راسخ (نسخۂ راقم) میں شاگردی فدوی کے ذکر کے بعد یہ عبارت ملتی ہے:

"وقتیکہ شناسائے پایۂ سخن گردید، طریقۂ پیروی کلام.. میر.. پیش نہاد ہمت ساخت، آخرہمین رسوخیکہ مکنون خاطر ارادت ماثر داشت، ببار یابی صحبت میر... فائز شدہ حلقۂ انقیاد شاگردی بگوش جاں انداخت" قطعی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن، قرینہ ہے کہ عشقی نے ۱۲۱۵ھ کے لگ بھگ ان کا ترجمہ حوالۂ قلم کیا ہے۔ دیوان راسخ مکتوبۂ مصنف میں ایک شعر اس زمانے کا ہے جب انھیں میر سے عقیدت تو تھی، لیکن ان کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی، اس کا مصرع آخر یہ ہے: "اویسیہ عقیدت ہے جناب میر سے مجھ کو" (یہ شعر دیوان کے اور نسخوں میں نہیں) دیوان کے کل نسخوں میں ایسے متعدد اشعار ملتے ہیں جن میں صریحاً تلمذ میر کا اقرار کیا ہے ان میں سے یہ دو شعر دیوان مطبوعہ سے نقل کیے جاتے ہیں:

راسخ کو ہے میر سے تلمذ　　یہ فیض ہے ان کی تربیت کا ص۲۱

شاگرد ہیں ہم میر سے استاد کے راسخ　　استادوں کا استاد ہے استاد ہمارا ص۶۴

(ج) سودا نے اواسط ۱۱۹۵ھ میں رحلت کی ہے اور میر ۱۱۹۷ھ کے ربیع اول میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے ہیں۔

(د) آزاد کی بیان کردہ حکایت بے سند ہے، دیوان راسخ مطبوعہ میں سودا کا کہیں نام تک نہیں آیا، نسخۂ مکتوبۂ راسخ میں شعر ذیل البتہ ملتا ہے:

راسخ ہے اپنی طبع کو سودا سے احتراز　　شاگرد میر ہوں مجھے سودا سے کیا غرض

(ہ) راسخ کا شعر دیوان مطبوعہ ص۱۳۹ اور متعدد خطی نسخوں میں اس طرح ہے کہ "پیر ہم" "ہم ضعیف" کی جگہ آیا ہے، خدا جانے اس کی وہ شکل جو آب حیات میں ہے آزاد کو کہاں ملی۔ (و) ہوئے ہیں پیر ۱؎ نسخۂ مکتوبۂ مصنف سے غیر حاضر اس میں ۱۲۱۷ھ یا اس کے کچھ بعد تک کا کلام ہے، کچھ تعجب نہیں اگر یہ واقعی زمانۂ پیری کا کہا ہوا ہو۔ (ز) حکایت اختراعی ہے۔

(۷) آتش کا بھی "استاد سے بگاڑ" ہوا، خدا جانے بنیاد کن کن جزئیات پر قائم ہوئی ہوگی اور ان میں حق کس طرف تھا.. جہاں سے کھلم کھلا بگڑی اس کی حکایت یہ سنی گئی کہ.. مشاعرے میں طرح ہوئی دہن بگڑا، یا سمن بگڑا، اس میں سب نے غزلیں لکھیں، خواجہ صاحب نے غزل لکھ کر.. مصحفی.. کو سنائی اور جب یہ شعر سنائے:

امانت کی طرح رکھا زمیں نے روز محشر تک　　نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب　　زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

نشے کے سرور میں آکر کہا کہ استاد، اس ردیف قافیے میں کوئی یہ شعر نکالے تو کلیجا نکل پڑتا ہے۔ انھوں نے ہنس کر کہا کہ ہاں میاں، سچ کہتے ہو اب تو کسی سے ایسے شعر نہیں ہو سکتے۔ بولے اس کے شاگردوں میں سے ایک نومشق لڑکے کی غزل سے توجہ بنایا اور اس میں انھیں دو قافیوں کو اس طرح باندھا:

لکھا ہے خاک کوئے یار سے اک دیدۂ گریاں — قیامت میں کروں گا گر کوئی حرف کفن بگڑا
دہن محسوس جو شے کس طرح نقشے میں ٹھیک اترے — شبیہ یار کھچوائی، مگر بگڑی دہن بگڑا

.. اُن شعروں میں اور ان شعروں میں جو نسبت ہے وہ .. پرکھنے والے ہی جانتے ہیں، لیکن، مشاعرے میں بہت تعریف ہوئی، پھر بھی چونکہ لڑکے کے منہ پر یہ شعر کھلتے نہ تھے .. تاڑنے والے تاڑ گئے کہ استاد کی استادی ہے۔ خواجہ صاحب اسی وقت اٹھ کر .. مصحفی کے پاس جا بیٹھے اور غزل ہاتھ سے پھینک کر کہا کہ یہ آپ ہمارے کلیجے میں چھریاں مارتے ہیں، نہیں تو اس لونڈے کا کیا منہ تھا جو ان قافیوں میں شعر نکال لیتا۔ خیر اس قسم کی باتیں استاد کے ساتھ بچوں کی شوخیاں اور لڑکپن کے ناز ہیں" ص۳۹۵

ریاض الفصحا میں مصحفی نے آتش کے بارے میں کہا ہے: "از ابتدائے موزونی طبع کم کم خیال شعر فارسی و ہندی ہر دو میکرد و اما میلان طبعش بطرف فارسی بیشتر بود و آں روز ہا کلام .. خود را بنظر فقیر میگذرانید، حالانکہ سن عمرش بہ بیست و نہ سالگی رسیدہ .. در نظم ریختہ .. معاصرینش (را) سبقت بردجستن دشوار می نماید، اگر عمرش وفا کردہ .. یکے از بے نظیران روزگار خواہد شد" ص۴ اور دیباچۂ دیوان ششم مصحفی میں جو سنہ ۱۲۲۳ یا سنہ ۱۲۲۴ھ کا لکھا ہوا ہے، یہ عبارت ملتی ہے: "چوں سلسلۂ موزوناں دراز کشیدہ، حلقۂ نعمت الوان ایں خواں بہ .. ناسخ مقسوم گشت .. از قفایش قدم بر قدم او .. آتش ہم در رسیدہ سمند تیز گام خیال را از دائرہ چرخ اثیر بیروں برد" (یہ زمانہ ہوا معارف میں چھپ چکا ہے اور جلوۂ خضر میں بھی ہے) دیباچے میں مصحفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ دیوان ششم کی اکثر غزلیں انھیں دونوں کے طور پر ہیں۔ ریاض الفصحا کا زمانۂ تصنیف سنہ ۱۲۳۰ تا ۱۲۳۶ھ ہے اور آتش کا ترجمہ میری رائے میں ۱۲۳۱ھ میں یا اس کے کچھ ہی بعد حوالۂ قلم ہوا ہے۔ ریاض اور دیباچے کی عبارتوں کے مقابلے سے اس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر ہے کہ مؤخر الذکر کی عبارت زماناً مؤخر ہے۔ اگر اس کے خلاف باور کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ "از .. برد" ایک کم عمر نومشق شاعر کے حق میں کہا گیا ہے۔ خود مصحفی کے بیان سے ظاہر ہے کہ استادی شاگردی کا سلسلہ زیادہ دن تک قائم نہیں رہا اور ترجمۂ آتش کے قلمبند ہونے سے پیشتر ہی منقطع ہو چکا تھا۔ اگر وہ واقعہ جو مصحفی نے لکھا ہے صحیح ہے تو اس کا زمانہ تحریر ترجمہ سے قبل ہے، لیکن کفن بگڑا دہن بگڑا کی زمین میں مصحفی کی غزل دیوان ہفتم میں ہے، جس کا زمانۂ تصنیف سنہ ۱۲۲۵ھ یا اس کے بھی کچھ بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانے میں آتش و مصحفی میں استادی شاگردی کا تعلق باقی نہ تھا اس

لیے حکایت جس طرح بیان ہوئی ہے، صحیح نہیں ہو سکتی، مگر دونوں میں کچھ نہ کچھ نزاع ضرور ہوئی۔ تذکرۂ ناصر (نسخۂ دوم) میں ہے:

"سچ تو یہ ہے کہ مصحفی سا استاد مسلم الثبوت کم ہوا ہے، مگر زمانۂ ناہنجار نے اس عزیز کو کیا کیا پریشان رکھا۔ باوجود اس کے کہ امیران نامدار اس کے شاگرد تھے، کسی نے ہمت کے موافق اس کے کفاف کی خدمت نہ کی۔۔ بڑے تو بڑے چھوٹے سبحان اللہ! غریب جو اس کے شاگرد تھے اسے خیال میں نہ لاتے تھے، بموجب اس کے:

کس نیاموخت علم تیر از من   کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

چنانچہ اس غزل کی تیل و کال رنجش پر۔۔ آتش کی دال:

اس کے بھی دھیان پر نہ چڑھا رنگ شاعری   سجاں کو ہم سمجھتے رہے ننگ شاعری
دشمن پہ مارے منھ جو مرا مستفید ہو   نہ یہ کہ میرے ساتھ کرے جنگ شاعری
ممکن نہیں کہ شہرت سعدی مٹا سکے   خواجو کا شعر غلغلۂ رنگ شاعری

یہ غزل دیوان ششم میں ہے اور اس کے وہ اشعار جو ناصر نے نقل نہیں کیے، یہ ہیں:

یہ بھی نئی پسند ہے لعل سخن کو چھوڑ   گر اب کوئی پسند کرے سنگ شاعری
ہرگز سنا نہ میں کہ مبارک ہوا کبھی   یوزان شیر گبر کو آہنگ شاعری
دم بند کر دیا مری تحریر کلک نے   ان کا جو یاں بجاتے رہے زنگ شاعری
بے عقل تیرے حق میں کہے کچھ تو مصحفی   تو یہ سمجھ چڑھی ہے اسے بنگ شاعری

(۷) سرمہ منظور نظر ٹھیرا ہے چشم یار میں   نیل کا گنڈا پنہایا مردم بیمار میں

آتش کا یہ شعر اسی طرح نقل کرکے لکھا ہے کہ ناسخ نے مشاعرے میں اس کی داد دی، لیکن اسے دہرا تے ہوئے یہ ترمیم کر دی کہ "ہے" کو "جو" اور "کا" کو "گوں" بنا دیا۔ آتش نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا "بجا ہے استاد خالیست"۔ محمد آزاد کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ ردیف "میں" نہیں "کو" ہونی چاہیے الف ص۳۶۹۔ حکایت بالکل دور از قیاس ہے، اور کلیات آتش مصحح مصنف، (مطبع محمدی لکھنؤ) میں یہ شعر (اور اس زمین میں آتش کی کئی غزلیں ہیں اور ابیات کی مجموعی تعداد ۵۸) اس طرح مرقوم ہے:

"سرمہ منظور نظر ہے (کذا) ہے چشم یار کو   نیلگوں گنڈا پنہایا مردم بیمار کو ص۱۴۸!

(۷۲) یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو   جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو

ناسخ کا یہ مطلع کلیات صفحہ ۲۲ میں اسی طرح درج ہے اور اس زمین میں ان کے ۱۰ اشعار ہیں۔ آزاد نے الف صفحہ ۳۶۷ میں اسے اس فرق کے ساتھ کہ "سرمہ" "ہو" پر مقدم ہے، نقل کیا ہے، لیکن صفحہ ۳۶۹ میں آتش کے شعر پر اعتراض کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "اس سے زیادہ تعجب شیخ صاحب کے مطلع کا ہے...:

یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار میں جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار میں

یہاں بھی "میں" بے معنی ہے، "پر" ہو تو ٹھیک ہے"

(۷۳) حکیم مہدی کی معزولی کی تاریخ ناسخ نے کہی "جس کا مادہ ہے": "دو کا شو برائے بختن شلغم گریختہ" الف صفحہ ۳۵۳۔ آزاد اس کے اعداد نکالنے کی زحمت گوارا کرتے تو انھیں یہ معلوم ہوتا کہ اس سے ۱۹۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ سال مطلوبہ ۱۲۳۵ھ صرف "گریختہ" سے مستخرج ہوتا ہے۔

(۷۴) از جائے حکیم رشت برگیر سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ ہے" الف صفحہ ۳۵۳۔ مگر تاریخ محتشم (نسخۂ م و ۲۲۸) سے جو ناسخ کے ایک معاصر کی تصنیف ہے، معلوم ہوتا ہے کہ صاحب رائے کی طبعزاد ہے۔ اس میں اس کی ایک اور بیت بھی ہے:

افتاد حکیم از مراتب تاریخ بطرز نو رقم کن

(۷۵) ناسخ کی مثنوی سراج نظم کو صفحہ ۳۵۴ میں دو جگہ نظم سراج لکھا ہے۔ (رجوع برائے تفاصیل بہ معاصر ۲ صفحہ ۹۳)

(۷۶) "دیوان ۳ ہیں مگر دو مشہور ہیں" الف صفحہ ۳۵۵ یہ جاننا بڑی بات نہیں کہ ناسخ کے ۳ دیوان تھے، مرا ئیں میں ایک نہیں کئی جگہ یہ مرقوم ہے (صفحہ ۵۸ و صفحہ ۹۹ وغیرہ) قابل ذکر بات یہ تھی کہ دیوان ۳ کلیات مطبوعہ کے دیوان ۲ میں شامل ہے۔ (نسخۂ مطبع مولائی صفحہ ۱۴۰)۔ یہ نسخہ اول میں نہیں ہے، اس کی طرف سب سے پہلے جناب ادیب لکھنوی نے لوگوں کی توجہ منعطف کرائی ہے۔

(۷۷) "قصائد کا شوق نہ تھا، چنانچہ نواب لکھنؤ کی تاریخ و تہنیت میں کبھی کچھ کہا ہے تو بطور قطعہ ہے" الف صفحہ ۳۵۳ مگر صفحہ ۳۶۲ میں ہے کہ معتمد الدولہ آغا میر نے ناسخ کو سوا لاکھ روپے قصیدے کا صلہ دیا تھا۔

(۷۸) ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

الف صفحہ ۳۶۱ میں بنام ناسخ اور یہ غلط ہے، صفحہ ۳۸۰ میں وزیر کے نام سے ہے اور یہ صحیح ہے۔

(۷۹) آتش نے ناسخ کی غزلوں پر متواتر غزلیں لکھیں تو ناسخ نے کہا:

ایک جاہل کہہ رہا ہے میرے دیواں کا جواب بو مسیلم نے لکھا تھا جیسے قرآں کا جواب

اس کا جواب آتش نے یہ دیا۔

کیوں نہ دے ہر مومن اس ملحد کے دیوان کا جواب   جس نے دیوان اپنا ٹھہرایا ہو قرآں کا جواب (الف صہ ۲۹۰)

تذکرۂ ناصر میں ہے کہ سیوا رام شائق، شاگرد آتش نے استاد کی حمایت کے بل پر ناسخ کی ہر غزل کا جواب کہا تو انھوں نے "ایک جاہل الخ" اور یہ شعر کہا

کیا کلیم اللہ سے نسبت ہو اس ناپاک کو   چاہیے فرعون کو دے اپنے ہاماں کا جواب

آتش نے یہ مطلع کسی شاگرد کو کہہ کر دیا:

چاہیے مومن کو دے اس نامسلماں کا جواب   جو کہے دیوان کو اپنے ہو یہ قرآں کا جواب

(۸۰) خلیق نے کہا تھا: "لیلاف پڑھی اور اسے دودھ پلایا" کسی نے ناسخ کو سنایا تو وہ بولے کہ یوں نہیں، اس طرح کہا ہوگا: "پڑھ پڑھ کے لایلاف اسے دودھ پلایا" الف صہ ۳۸۶۔ "تنقید آب حیات" (اس کا حال (پھر ملے گا) میں ہے کہ آزاد نے ٹھیک نہیں لکھا، خلیق کے کلام پر ناسخ کی دو اصلاحیں مشہور ہیں ایک یہ اور دوسری یہ: خلیق: "اکبر علی اللہ نگہبان تمھارا" ناسخ: "پیارے مرے اللہ نگہبان تمھارا" صہ ۷۔ تذکرۂ ناصر میں ہے کہ خلیق نے "لیلاف الخ" پڑھا، ناسخ نے اعتراض کیا، یہ بولے کہ وزن میں نہیں آتا، ناسخ نے وقت کیا ہے، یوں پڑھیے: "پڑھ پڑھ کے الخ"

(۸۱) مومن کے حال میں نہ ان کے دیوان فارسی کا ذکر ہے نہ مجموعۂ نثر فارسی کا حالانکہ یہ تصنیف الف سے بہت پہلے معرض طبع میں آچکے تھے۔

(۸۲) اصغر علی خاں، اصغر، خلف عبداللہ خاں اور اصغر علی خاں، نسیم کو آزاد ایک سمجھے ہیں الف صہ ۴۳۳ و صہ ۴۸۰۔ یہ دونوں بالکل مختلف ہستیاں ہیں، نسیم کے والد کا نام آقا علی خاں تھا (سراپا سخن صہ ۱۶)

(۸۳) ذوق کا کلام سن کر دیوان چندو لال نے مصرع طرح بھیجا اور بلایا مگر نہ گئے، غزل البتہ روانہ کردی، مقطع میں کہا:

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدر سخن   کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

دکن سے خلعت اور ۵۰۰ روپے آئے، مگر ذوق نہ گئے الف صہ ۴۸۸۔ دیوان ذوق، مرتبۂ آزاد صہ ۴۳ میں یہی، لیکن صہ ۱۱۹ میں ہے: "دیوان چندو لعل .. نے کئی ہزار روپے بھیج کر بلا بھیجا اور مصرع اپنی طرح مشاعرہ کا بھیجا، حضرت .. نے زمین مذکور میں دو غزلہ کہہ کر بھیج دیا اور روپیہ نہ لیا" (غزل وہی جس کا ذکر صہ ۴۳ میں ہے)

(۸۴) "استاد مرحوم کے بعد ذوق سخن اور ان (حکیم آغا جان، عیش دہلوی) کے کمال کی کشش نے کھینچ کر ان کی خدمت میں بھی پہنچایا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے چند روز بعد .. انتقال کیا" الف صہ ۴۸۳

مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے حکیم آغا جان، عیش دہلوی پر جو مضمون لکھا ہے مضامین فرحت حصہ ۲ میں شامل ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ دیوان عیش میں ۱۲۸۶ھ کا ایک قطعہ موجود ہے ظاہر ہے کہ اس کی

کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفات اس سے پیشتر نہیں ہوئی۔ مرزا صاحب نے عیش کی پوتی سے جو ان کی وفات کے وقت خاصی جوان تھیں، پوچھ کر یہ بتایا ہے کہ عیش کا سال رحلت ۱۲۹۷ھ ہے۔ ص۱۸۳۔ اس کا مدار عمروں کے حساب پر ہے، اس لیے امکان ہے کہ اس میں برس دو برس کا فرق ہو گیا ہو۔ بہر حال، آزاد کے قول کا غلط ہونا ہر طرح ثابت ہے۔ عیش سے آزاد نے استفادہ کیا ہے، اور دونوں ہموطن ہیں، مگر آزاد ان کے صحیح زمانۂ وفات سے قطعاً ناواقف ہیں۔

(۸۵) "میانہ قد، خوش اندام، سر پر ایک ایک انگل بال سفید، ایسی ہی ڈاڑھی، اس گوری رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی تھی۔ گلے میں ململ کا کرتہ، جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہو" الف ص۴۸۳۔ اسے سن کر بقول مرزا فرحت اللہ بیگ، عیش کی پوتی نے کہا تھا کہ آزاد نے "دادا جان کو دیکھا تھا، جو جی میں آیا لکھ دیا"۔ مضامین ص۱۶۵۔ پوتی کے بیان کے مطابق: "بہت اونچا قد، نہایت سرخ و سفید رنگ، نیچی گول بھروان ڈاڑھی، کتابی چہرہ، منڈا ہوا سر، ستواں ناک، بڑی بڑی آنکھیں۔۔ ہمیشہ نیچی چولی کا انگرکھا پہنتے۔۔ کرتہ تمام عمر نہیں پہنا۔ جاڑے میں فرغل یا دگلہ۔۔ فرغل تو عموماً موسمی چھینٹ کی ہوتی تھی، مگر دگلہ اکثر اونی کپڑے کا ہوتا تھا۔ ایک بر کا پیجامہ، پاؤں میں ٹھوان جوڑے پنجے کی ریشم کے کام کی جوتی، ہاتھ میں سبز رنگ کی جریب" ص۱۸۰۔

(۸۶) غالب کی قاطع برہان کا جواب ساطع برہان ہے اور جواب الجواب "نامۂ غالب"، یہ آزاد کو معلوم ہے الف ص۱۳۰، لیکن اس کے باوجود فرماتے ہیں: "ساطع برہان کے اخیر میں چند ورق سید عبداللہ کے نام سے ہیں، وہ مرزا صاحب (غالب) کے ہیں" ص۵۳۲۔ ایک مخالف کی کتاب میں غالب کی تحریر ایک دوسرے شخص کے نام سے کس طرح آ گئی، سمجھ سے باہر ہے۔ اس سے قطع نظر، کسی کتاب میں جو قاطع کی مخالفت یا موافقت میں لکھی گئی تھی، سید عبداللہ کا نام تک نہیں آیا۔

(۸۷) "سبد چین۔ دو تین قصیدے، چند قطعے، چند خطوط فارسی کے اس میں ہیں کہ دیوان میں درج نہ ہوئے تھے" الف ص۵۲۱۔ اس میں رباعیات، غزلیات وغیرہ بھی ہیں اور خطوط سے یہ خالی ہے۔ سبد چین پر میرا مقالہ مضمون علی گڑھ میں شائع ہو چکا ہے۔

(۸۸) مؤید البرہان الف ص۵۱۹، صحیح مؤید برہان۔

(۸۹) ہرمزد زند پازند کا عالم تھا الف ص۵۰۰۔ ہرمزد وجود خارجی سے محروم تھا (میرا مقالہ "احوال غالب" میں ملاحظہ ہو) اگر اصلی شخص تھا جب بھی زند سے قطعی ناواقف تھا، اس لیے کہ وہ خود مقر ہے کہ یہ معدوم محض ہے۔ اسی بنا پر غالب ان فرہنگ نگاروں پر معترض ہیں جو لغات زند و ژند فرہنگ کرتی ہیں۔ زند ہے ہی نہیں، تو یہ لغات کہاں سے آئے! (درفش کاویانی ص۱۳۸)

(۹۰) آزاد کا بیان ہے کہ سراپا سخن میں ایک جگہ دبیر کے والد کا نام مرزا آغا جان لکھا ہے اور دوسری جگہ غلام حسین

الف صـ۵۳۶ ۔ سراپا سخن (طبع اول) میں صرف دو جگہ دبیر کے والد کا نام آیا ہے اور دونوں جگہ غلام حسین ہے صـ۱۰۸ و صـ۲۱۵ ۔

تنقید آب حیات کے نام سے ایک رسالہ میر محمد رضا (ظہیر تخلص، تحفانہ جاوید) کا لکھا ہوا ۱۳۰۳ھ میں یا اس کے کچھ بعد اردو پریس لکھنؤ میں چھپا تھا۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ میں "اکثر معاملات" دبیر" میں ۱۱ برس کے سن سے شریک رہا ہوں صـ۳۔ آب حیات کی نسبت مصنف نے یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ اس کے بعض اغلاط "جہل مفرط کا نمونہ" ہیں اور اس میں جو "افترا و اختراع" ہے وہ "شان تذکرہ نویسی سے بعید بلکہ ابعد ہے" دبیر سے متعلق جو حکایات الف میں ہیں، ان کے بارے میں ان کا قول ہے کہ الطاف ان کے لفظ لفظ پر "ہذا بہتان عظیم" کہہ اٹھتا ہے۔ نامور اشخاص کے دشمن ہوا کرتے ہیں، دبیر کے "معاند" بھی تھے اور ہیں، لیکن "کسی سے کبھی ان حکایات موضوعہ کا ایک حرف بھی نہیں سنا" صـ۱۰؎ دبیر کے والد کے نام سے متعلق جو غلط بات آزاد کے قلم سے نکلی ہے، اس پر یہ بہت چراغ پا ہو گئے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "آغا جان دبیر کے والد کا نام تو نہیں اس شخص کے باپ کا ہوگا جو اس کا مدعی قرار پائے" صـ۴ ۔

(۹۱) مصنف سراپا سخن کے متعلق آزاد کا قول ہے کہ یہ "ہر شخص کے باب میں کچھ نہ کچھ طنز کا نکتہ نکال لیتے ہیں اسی لیے (دبیر کے) خاندان کے باب میں نہ یقین ہے نہ شک"، الف صـ۵۳۶ ۔ یہ اتہام محض ہے۔ سراپا سخن میں سیکڑوں شاعروں کا ذکر ہے اور ممکن ہے کہ دو چار کے بارے میں طنزیہ بات بھی ہو، لیکن، دو چار کو "ہر شخص" کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

(۹۲) دبیر "تباہی لکھنؤ کے بعد اول ۱۸۵۸ء میں ۔۔ مرشد آباد ۔۔ گئے اور ہمیشہ الہ آباد اور بنارس میں جاتے رہے" الف صـ۵۴۴ ۔ تنقید آبحیات صـ۲ میں ہے کہ "مرشد آباد جانا کیسا" مرزا صاحب نے تا مدت العمر اس شہر کا نقشہ بھی کسی کاغذ پر کھنچا ہوا نہیں دیکھا" الہ آباد و بنارس کا حال مجھے معلوم نہیں مگر یہ قابل توجہ ہے کہ آزاد ان کے عظیم آباد جانے سے مطلقاً واقف نہیں، جہاں وہ تباہی لکھنؤ کے بعد آخر آخر تک، (بہ استثنائے بعض سال) ہر سال جاتے رہے۔ تنقید آب حیات کا صـ۲ بھی اس کا مؤید ہے۔

(۹۳) دبیر کا ابتدائی زمانہ تھا، استاد کی ایک اصلاح پسند نہ آئی۔ ناسخ کے یہاں گئے "وہ اس وقت گھر کے صحن میں مونڈھے بچھائے جلسہ جمائے بیٹھے تھے" انھوں نے ناسخ کی رائے دریافت کی، ناسخ نے استاد کی تائید کی۔ دبیر نے کہا کہ "کتابوں میں تو اس طرح آیا ہے" ناسخ نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ بولے "حضرت، آپ کتاب کو ملاحظہ تو فرمائیں۔ ناسخ نے جھنجھلا کر کہا "ارے تو کتاب کو کیا جانے ہمارے سامنے کتاب کا نام لیتا ہے۔ ہم کتابیں دیکھتے دیکھتے خود کتاب بن گئے ہیں" "ایسے خفا ہوئے کہ لکڑی سامنے رکھی تھی وہ لے کر اٹھے، یہ بھاگے، انھیں بھی ایسا جوش تھا کہ دروازے تک ان کا تعاقب کیا" صـ۵۳۷

تنقید آب حیات میں ہے: "یہ روایت تو بہتان عظیم سے بھی اعظم ہے۔۔ ابھی مثل میرے اس زمانے کے

کچھ لوگ زندہ بھی ہیں اور وہ سب شاہد ہیں کہ.. مرزا صاحب.. اس محلے میں جہاں ناسخ.. رہتے تھے کبھی نہیں گئے اور نہ کہیں اور موقع مباحثہ و مکالمہ کا آیا۔ مجلسوں میں نواب حسین علی خاں عصر (اثر ۹) کے یہاں مرزا صاحب پڑھتے تھے، جناب شیخ.. سننے.. آتے تھے، بعد مجلس چلے جاتے تھے.. کبھی نوبت گفتگو.. نہیں آئی۔ ہاں، اتنی بات تھی کہ وہ تمام عمر متمنی رہے کہ مرزا صاحب ہماری ملاقات کو آئیں۔ مگر کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ وجہ یہ.. کہ ان کو.. مصحفی و.. ضمیر.. سے کمال عناد تھا.. تمام عمر ان کا یہ قول رہا کہ ہائے مرزا سا ذہین، ہونہار طبیعت دار اور شاگرد.. ضمیر کا! ادھر ان کا یہ قول کہ کجا ہمارے استاد اور کجا شیخ جی!" ۶ آزاد نے اعتراض کے بعد بھی اپنی بیان کردہ حکایت کی سند پیش کی ہو، تو قول معترض کو صحیح ماننے کے سوا چارہ کیا ہے، مگر بخوبی ممکن ہے کہ میر محمد رضا کے بیان میں بعض جزئی باتیں غلط ہوں۔

(۹۴) مرزا دبیر کا "عالم شباب" تھا اور میر ضمیر کا بڑھاپا۔ نواب شرف الدولہ ضمیر سے "ہزاروں روپے کے سلوک کرتے تھے" ابتدا میں ان کی وجہ سے اور پھر خود دبیر کے کمال کے باعث ان کی بھی قدر کرتے۔ ان کی مجلس میں پہلے شاگرد اور اس کے بعد استاد پڑھا کرتے تھے۔ ایک موقع پر مرزا نے ایک مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:
"دست خدا کا قوت بازو حسین ہے" "ضمیر نے اسے پسند کیا اور" توجہ سے بنایا" اسے زمانے میں نواب کے یہاں ایک مجلس ہونے والی تھی، یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے پڑھوں گا، دبیر نے اسے قبول کر لیا اور مرثیہ "انھیں کو دیدیا" گھر واپس ہوئے تو بعض احباب سے یہ بات کہی" مسودہ پاس تھا وہ بھی سنایا، پھر تو یاروں کا چمکانا کچھ اس سبب سے کہ.. نواب کو خبر پہنچ گئی تھی، ادھر کے اشاروں میں انعام کی ہوا آئی۔ غرض انجام یہ ہوا کہ استاد مرثیہ صاف کر کے لے گئے کہ وہی پڑھیں گے۔ "مجلس ہوئی تو پہلے دبیر منبر پر گئے اور وہی مرثیہ پڑھا جو بہت کامیاب رہا۔ ضمیر ہمیشہ تعریفوں سے شاگرد کا دل بڑھایا کرتے تھے، مگر اس بار خاموش بیٹھے رہے۔ "فکر یہ کہ اب میں پڑھوں گا تو کیا پڑھوں گا اور اس سے بڑھ کر کیا پڑھوں گا جس میں استادی کا رتبہ بڑھے نہیں تو اپنے درجے سے گرے بھی تو نہیں۔ غرض ان کے بعد یہ پڑھے اور کمال کی دستار صحیح سلامت لے کر منبر سے اترے" ص۳۵،

میر محمد رضا نے لکھا ہے کہ شرف الدولہ دو تھے، ایک سنی جو غدر میں مارے گئے انھیں مجالس سے علاقہ نہ تھا، دوسرے نو مسلم جو "شبیہ روضۂ کاظمین کے بانی ہوئے" یہ مجلسیں کرتے تھے، لیکن" ان کی قدردانی کی تخمیس جو عبارت آزاد سے نکلتی ہے "حشو محض" ہے۔ ضمیر کے دوسرے مربی" دولت و حکومت میں ان سے کہیں زیادہ تھے" اصل واقعہ یہ ہے کہ ۱۹ رمضان کی مجلس کے بعد مہاراجہ میوہ رام مخاطب بہ افتخار الدولہ، نو مسلم نے ضمیر و دبیر دونوں سے اکیسویں کی مجلس کے لئے نئے مرثیے کی فرمائش کی، اور دونوں نے بشرط فرصت ہوں ہاں کر دی۔ دبیر نے شب بھر میں ایک مرثیہ: "ذرہ ہے آفتاب در بو تراب کا"

تصنیف کر کے صبح کو استاد کی خدمت میں پیش کیا، دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ضمیر نے کوئی نیا مرثیہ نہ کہا تھا ایک پرانے مرثیے کے مطلع کو بدل دیا تھا اور اس میں چند بند اور لگائے تھے" ان کا ارادہ اسی کو پڑھنے کا تھا دبیر نے عرض کی کہ آپ میرا مرثیہ پڑھیں، آپ ہی کا فیض ہے۔ ضمیر نے انکار کیا، لیکن میر عابد علی، بشیر شاگرد ضمیر نے جو دبیر سے نہایت حسد رکھتے تھے کہا کہ یہ نامناسب ہے کہ شاگرد نیا اور استاد پرانا مرثیہ پڑھیں۔ ضمیر بولے کہ " ایسی باتیں میرے ذہن میں نہیں، خیر، یوں ہی سہی " پھر پورا مرثیہ دیکھ کے کہا کہ " طولانی ہے بہتر یہ ہے کہ اول کا ٹکڑا ... تم پڑھو اور اس بند کا نشان بھی بتلا دیا کہ یہاں تک اور وہاں سے تا آخر میں پڑھوں گا، مجلس کے دن دبیر نے کہا کہ میاں نے نیا مرثیہ نہیں کہا، مگر استاد نے کہا ہے جس کا ایک حصہ میں اور ایک حصہ خود وہ پڑھیں گے۔ دبیر منبر پر فاتحہ خوانی کر رہے تھے کہ بشیر نے ضمیر سے " کچھ سرگوشی کی " اور کہا کہ پہلا ٹکڑا چست ہے اور دوسرا سست، میں دبیر کو منع کئے دیتا ہوں کہ یہ نہ پڑھیں کوئی اور مرثیہ پڑھیں۔ ضمیر نے منع کیا، مگر اس کے باوجود انھوں نے دبیر کے پاس آکر یہ بات ان سے کہی۔ دبیر نے جواب دیا کہ کوئی اور مرثیہ تو میں ساتھ لایا نہیں، تمھارے کہنے کا اعتبار نہیں، استاد واقعی یہ چاہتے ہیں تو آنکھ سے اشارہ کریں میں کچھ رباعیاں پڑھ کر منبر سے اتر آؤں گا۔ بشیر نے ضمیر سے جا کر کہا کہ دبیر کہتے ہیں کہ " آج ہی تو مجھ کو امتحان استاد کا مقصود ہے، دیکھوں میرے بعد استاد کیا کرتے ہیں " ضمیر یہ سن کر آگ ہو گئے، دبیر نے جب دیکھا کہ ضمیر اشارہ نہیں کرتے تو مرثیے کا وہ حصہ جوان کے لیے مقرر تھا پڑھ کر منبر سے اتر گئے۔ سامعین نے خوب داد دی، ضمیر منبر پر گئے تو یہ کہا کہ " یہ مرثیہ انھیں کا ہے، میرا نہیں، اور پھر " کسی پرانے مرثیے کے چند بند نثر آمیز پڑھے " مگر رنگ نہ جم سکا۔ مجلس کے بعد دونوں کے لئے خلعت آئے، ضمیر نے خلعت پر ٹھوکر مار کر کہا کہ اٹھا لے جاؤ، دبیر نے بھی " خلعت پھیر دیا اور کہا کہ میں اس شخص کو ملعون جانتا ہوں کہ استاد کے فائدے پر اپنے فائدے کو مقدم رکھے "

تذکرہ ناصری میں ہے: " استاد (ضمیر) اور اس (دبیر) میں جو بے لطفی ہے ایک بزرگ کی زبانی مختصرا بیان کرتا ہوں۔ میاں دبیر اوائل میں ایک مرثیہ اصلاح کے واسطے میر ضمیر کی خدمت میں لائے، کہیں کہیں اصلاح دی اور بہت پسند کیا، بلکہ فرمایا کہ یہ مرثیہ ہمیں دو کہ راجہ میوا رام کے یہاں ہم پڑھیں۔ اس نے کہا بہتر میں بھیج دوں گا۔ دبیر نے اس مرثیے کی دو نقلیں لیں، ایک بھیج دی، ایک اپنے پاس رکھی۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ میر صاحب نے اس سے کہا کہ اس مرثیے کو راجہ میوہ رام کی مجلس میں نہ پڑھنا۔ جب مجلس کا دن آیا، میر صاحب مع دبیر تشریف فرما ہوئے۔ دبیر سے کہا منبر پر جاؤ اور کچھ پڑھو۔ اس ناحق شناس نے سامعین کو ہمہ تن اشک دیکھ کر وہی مرثیہ پڑھا۔ رقت اور تعریف ایسی ہوئی کہ میر ضمیر کے پڑھنے کی گنجائش نہ رہی اور خاتمہ اسی پر ہوا "

ناصر کی دو روایتوں میں سے ایک نامکمل ہے، اس امر سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرثیے کی ایک نقل رکھ لینے کے بعد دبیر نے کیا کیا۔ میرے نزدیک صاحب تنقید آب حیات نے جس طرح اسے بیان کیا ہے، زیادہ قرین قیاس ہے۔

(۵۵) شرف الدولہ کی مجلس کا واقعہ بیان کر کے لکھتے ہیں: "اس دن سے دل بھر گیا، یار لوگوں نے شاگرد کو نقطۂ مقابل کر کے بجائے خود استاد بنایا اور وہی صورت ہو گئی کہ ایک مجلس میں دونوں کا اجتماع موقوف ہو گیا۔ زمانے نے.. چند روز مقابلوں سے شاگرد کا دل بڑھایا، اور آخر بڑھاپے کی سفارش سے استاد کو آرام کی اجازت دی، وہ اپنے حریف میر خلیق کے سامنے گوشۂ عزلت کا مقابلہ کرنے لگے۔" (ص ۳۹)

میر محمد رضا کا بیان ہے کہ مجلس کے دوسرے دن دبیر ضمیر کے یہاں گئے تو کم التفاتی" پائی۔ شب کو ان کی مجلس میں شریک ہوئے تو بشیر اور ان کے ساتھیوں نے "بلند آواز سے بھکنا شروع کیے" دبیر نے تحمل سے کام لیا، مگر بعد مجلس بدون رخصت اٹھ کھڑے ہوئے اور راہ میں میر محمد رضا سے بولے کہ "تم نے ان مفسدوں کی باتیں سنیں؟" انھوں نے کہا کہ آپ کچھ دیر اور ٹھہرتے تو "مجھ سے کسی نہ کسی سے تلوار چل جاتی" دبیر نے کہا کہ "استاد کے گھر میں ایسی جسارت، توبہ کرو" دو تین برس "باہم گرمجاب رہا" ادھر ضمیر نے ایک نئے شاگرد، شہرت کو نئے مرثیے کہہ کر دینے شروع کیے اور وہ تیرہویں کی مجلس میں پڑھنے لگے۔ ادھر دبیر نے گیارھویں کی مجلس میں نیا مرثیہ سنانے کا التزام کیا۔ شہرت کی مجلس تو چند مہینوں میں بند ہو گئی لیکن دبیر کی مجلس "تا حین حیات" دبیر ہوا کی۔ استاد شاگرد میں ملاپ یوں ہوا کہ حضور عالم، نواب علی نقی خاں کے یہاں مجلس تھی، جس میں "اغلب ہے کہ حسب الطلب" ضمیر بھی موجود تھے۔ دبیر نے اپنا نیا مرثیہ "اے عرش بریں تیرے ستاروں کے تصدق" پڑھنا شروع اور نواب نے داد دی تو دبیر نے ضمیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ سب تصدق جناب استاد کا ہے۔" بعد ختم مرثیہ منبر سے اترے تو ضمیر نے "اٹھ کر گلے سے لگا لیا اور وہیں سے.. اپنے گھر لے گئے۔ میر محمد رضا بھی ساتھ تھے۔ استاد شاگرد میں باتیں ہوئیں تو بشیر کی "مخطا ثابت ہوئی" ضمیر بولے کہ "یہ شخص اب اس لائق نہیں کہ ہمارے یہاں آئے" دبیر نے عرض کی کہ میری خطا کے ساتھ ان کی خطا بھی معاف ہو۔ ضمیر ساکت ہو گئے "اور کچھ نادم سے نظر آئے" اس دن سے کبھی رنجش درمیان میں نہیں آئی۔ ضمیر اپنے دوسرے محل میں کہ وہ معالی خاں کی سرا میں واقع تھا مجلس کرتے تھے، اس میں دبیر ہمیشہ پڑھا کیے۔ بعد وفات ضمیر سوم کی مجلس بھی دبیر پڑھے۔ میر محمد رضا نے خاتمۂ بحث ان الفاظ پہ کیا ہے: "آج وہ زمانہ ہے کہ ان دونوں.. میں سے کوئی باقی نہیں، صرف ان کا فسانہ باقی ہے یا دو لوگ.. جو ان پہ تہمتیں کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی

الابصار" ص۹ وما بعد، خلیق ۱۲۶۰ھ میں فوت ہوئے ہیں (معاصر حصہ ۱۱ ص۱۴۰) اور ضمیر کا سال وفات ۱۲۷۲ھ ہے (معاصر حصہ ۱۲ ص۲۳) یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ ضمیر خلیق کی زندگی میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ غالب کے ایک خط میں مذکور ہے کہ "مولانا ضمیر" نے غالب کا ایک فارسی قصیدہ واجد علی شاہ کو سنایا تھا (کلیات نثر ص۱۲۱) ان کا سال جلوس ۱۲۶۳ھ ہے۔ تذکرۂ ناصر (سال اتمام ۱۲۶۲ھ) میں ہے کہ ضمیر "عہد نصیر الدین حیدر۔۔ سے تا حضرت اقدس و اعلیٰ معزز اور ممتاز"

(۹۶) دبیر نے عالم جوانی میں ایک دھوم دھام کا مرثیہ لکھا "تازہ ایجاد یہ کیا کہ۔۔ ایک بہادر پہلوان۔ میدان میں لائے۔ اس کی ہیبت ناک صورت بہ مہورت" آمد کی آن بان اس کے اسلحۂ جنگ۔ ان کے خلاف قیاس مقادیر و وزن سے طوفان باندھے "اس کا شہر میں شہرہ تھا" "طلب کی تحریکیں اس اسلوب سے ہوئی تھیں" کہ آتش بھی باوجود پیری اس مجلس میں جہاں یہ پڑھا گیا تھا، شریک ہوئے؛ لوگ تعریفوں کے غل مچاتے رہے، گریہ و بکا بھی خوب ہوا، مگر آتش خاموش رہے۔ بعد ختم مرثیہ دبیر آتش کے پاس آئے اور بولے کہ جو کچھ میں نے عرض کیا آپ نے سنا۔ فرمایا، ہوں، بھئی سنا۔ انھیں اتنی بات پر قناعت کب تھی، پھر کہا آپ کے سامنے پڑھنا گستاخی ہے، لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ انھوں نے فرمایا، بھئی، سنا تو سہی مگر میں سوچتا یہ ہوں کہ مرثیہ تھا یا لندھور سعدان کی داستان" الف ص۳۹

تنقید آب حیات میں ہے کہ یہ بالکل جھوٹی حکایت ہے، آتش نے ایک مجلس میں جہاں مصنف بھی تھے، دبیر کا ایک بے نقط مرثیہ سن کر یہ البتہ کہا تھا کہ "یہ صنعت اس بے تکلفی کے ساتھ آپ کا حصہ ہے" (ص۴ و ص۵)

(۹۷) دبیر کا ایک بے نقط مرثیہ ہے جس کا "مطلع" ہے "ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا" اس میں اپنا تخلص "بجائے دبیر۔ عطارد لکھا ہے" الف ص۴۲۔ یہ مرثیہ بقول میر محمد رضا اختر کا ہے، ان کا بیان ہے کہ دبیر بے نقط مرثیے میں عطارد کے علاوہ مجرم تخلص بھی لائے ہیں ص۸۔

(۹۸) تاریخ وفات دبیر ۲۹ محرم ۱۲۹۲ھ الف ص۱۴۱۔ میر محمد رضا کہتے ہیں کہ "شب محرم صبح ہوتے وفات پائی (کذا) اور اسی روز کہ تیسویں محرم کی تھی۔۔ دفن ہوئے" ص۷۔ مصنف حیات دبیر نے خمخانۂ جاوید جلد ۳ کے لئے دبیر کا حال لکھا ہے اس میں تاریخ رحلت "۳ محرم ۱۲۹۲ھ" (ص۱۵۸) درج ہے، لیکن یہ صریحاً طباعت کی غلطی ہے، اصل میں ۳۰ ہوگا۔ اودھ اخبار سے بھی ۳۰ محرم کی تصدیق ہوتی ہے۔ (معاصر ۱ ص۱۴۱)

(۹۹) دبیر کی عمر ۷۲ برس الف ص۱۴۱۔ خمخانۂ جاوید میں تاریخ ولادت ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۸ھ مرقوم ہے (ص۱۵۳)۔ اس حساب سے وفات کے وقت ساڑھے ۷۳ برس سے کچھ زیادہ کے تھے۔ شعرا کے

سنین وفات آب حیات میں عیسوی نہیں دیے گئے، بالالتزام ہجری ہیں، اس لیے شمسی سال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(۱۰) "مرثیوں کے بند چالیس پچاس سے زیادہ نہ ہوتے تھے، وہ ۱۵۰ سے گزر کر ۲۰۰ سے بھی نکل گئے۔ میر صاحب (یعنی انیس)... نے کم سے کم ۱۰ ہزار مرثیہ ضرور کہا ہوگا، اور سلاموں کا تو کیا شمار ہے، رباعیاں تو باتیں تھیں" الف ص۵۴۴۔ اگر بندوں کا اوسط سو فی مرثیہ رکھا جائے تو بندوں کی تعداد ۱۰ لاکھ اور ابیات کا شمار ۳۰ لاکھ تک پہنچتا ہے۔ سلاموں اور رباعیوں کی کیا تعداد آزاد کے ذہن میں تھی، اس کا علم خدا کو ہے۔

مجموعۂ مراثی جلد ۱ تا ۴ (نول) میں ۱۰۷ مراثی بصراحت ذیل ہیں: جلد ۱: ۲۹، بند ۳۶۳۷، ابیات ۱۰۹۱۱، جلد ۲: ۲۷، بند ۳۳۱۷، ابیات ۹۹۵۱، جلد ۳: ۱۹، بند ۱۹۳۸، ابیات ۵۸۱۴، جلد ۴: ۳۲، بند ۲۶۲۹، ابیات ۷۸۸۷۔ ان مراثی کے ابیات کی مجموعی تعداد ۳۴۵۶۳ ہے۔

مجموعۂ مراثی جلد ۵ مطبع جعفری میں بہ اجازت میر نفیس چھپی تھی، (چونکہ میں نے مجلدات نول سے مقابلہ نہیں کیا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ بالکل نئے مراثی ہیں یا نہیں)، اس میں ۲۱ مراثی (۲۲۸۷ بند، ۶۸۶۱ ابیات) ہیں۔ مجموعۂ مراثی جلد ۶ مطبوعۂ مطبع دبدبۂ احمدی میں بعض مراثی پرانے ہیں مگر یہ نسخہ نولکشوری میں نامکمل ہیں و اس میں مکمل، باقی بظاہر نئے ہیں۔ اس کے مراثی کی تعداد ۳۳ ہے (۳۳۵۷ بند، ۱۰۰۷۱ ابیات ہیں)۔

مجلدات ۱ تا ۶ میں کل ۱۶۱ مراثی ہیں اور ان کے ابیات کی مجموعی تعداد ۵۱۴۹۵ ہے۔ کل سلام ان ۶ مجلدات میں ۷۲ ہیں (جلد ۱: ۴، جلد ۲: ۱۶، جلد ۳: ۱۲، جلد ۴: ۱۰، جلد ۶: ۳۰)۔ رباعیوں کی مجموعی تعداد ۳۰۰ ہے (جلد ۱: ۸۶، جلد ۲: ۳۴، جلد ۳: ۴۱، جلد ۴: ۱۲۶، جلد ۶: ۱۳)

یہ بخوبی ممکن ہے کہ انیس کا کل کلام معرض طبع میں نہ آیا ہو، لیکن آزاد نے جو کچھ لکھا ہے وہ مبالغے[۱] کی انتہا ہے۔

---

[۱] آزاد نے دبیر کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے "کم از کم ۳ ہزار مرثیہ لکھا ہوگا، سلاموں اور نوحوں اور رباعیوں کا کچھ شمار نہیں" الف ص۵۴۵ اس سے ظاہر ہے کہ وہ انیس کو ان سے بہت زیادہ پُرگو سمجھتے ہیں، لیکن ص۵۴۴ میں "دبیری امت" کی زبان سے انیس پر یوں طعن کرتے ہیں: "کس کا منھ ہے جو رات کو بیٹھے اور سو بند کہہ کر اٹھے؟ برس دن تک خامہ فرسائی کی اور محرم پر دس پندرہ مرثیے لکھ کر تیار کیے تو کیا کیے، وہ بھی دوا ور بھائیوں کے مشورے ملا کر اور مباحثوں کے پسینے بہا کر" "انیسی امت" کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انیس ایک رات میں ۳۰۰ بند کہہ سکتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں کہتی، یہ جواب دیتی ہے: "درست ہے جو رات بھر میں سو بند کہتے ہیں وہ بے اصول اور بے ربط ہوتے ہیں اور جب ادائے مطلب پر آتے ہیں تو اتنے بھی نہیں رہتے" ص۵۴۴۔ انیس کی سالانہ پیداوار جسے "انیسی امت" نے اس کی تردید نہ کر کے قبول کر لیا ہے، زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہے۔ انیس کی شاعری کی عمر ۵۰ سال مانی جائے، تو مراثی کی مجموعی تعداد ۷۵۰ ہوتی ہے۔

(۲)

دیوان ذوق مرتبۂ آزاد آب حیات کے بعد طبع ہوا تھا، لیکن پہلی بار کس سنہ میں چھپا تھا، میں یہ نہیں بتا سکتا۔ سخندان فارس (= سخن) مطبوعہ ۱۹۰۷ء کی تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب پہلے پہل ۱۸۸۷ء میں "مطبع کے حوالے" ہوئی تھی۔ نگارستان فارس (= نگار) وفات آزاد کے چند برس بعد منطبع ہوئی تھی! جناب آغا محمد طاہر، نبیرۂ آزاد کا قول ہے کہ نسخۂ مطبوعہ کا حرف حرف آزاد کے سودے کے مطابق ہے ص۲۳۶

---

(۱۰۱) "شمس ولی اللہ" آب حیات (= آب) ص۸۸۔ ولی کا نام ولی اللہ ہو یا ولی محمد یا محمد ولی، لفظ "شمس" اس کا جزو نہیں۔

(۱۰۲) مصحفی کے تذکرے میں ہے کہ "سنہ ۳ محمد شاہی عہد میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا" آب ص۱۱۴ "سنہ ۲ دیوان ... سنہ ۳ محمد شاہی میں دلی پہنچے" ص۹۳۔ مصحفی نے "سن دوم" لکھا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ دیوان کہاں سے آیا تھا (تذکرۂ ہندی ص۸۰) میں نے تذکرۂ ہندی کے متعدد خطی نسخے دیکھے ہیں، سب میں "دوم" ہے کسی میں "سوم" نہیں۔ ولی عہد محمد شاہی میں نہیں، سنہ ۴۴ عالمگیری میں دہلی گئے تھے۔ (مخزن نکات ص۱۱) اور یقین ہے کہ ان کا دیوان بھی سنہ ۲ محمد شاہی سے پیشتر وہاں پہنچا ہو۔ حاتم نے خود اس سے پہلے دیوان کا مطالعہ نہ کیا ہو، یہ البتہ ممکن ہے۔

(۱۰۳) ولی عروض سے ناواقف تھے آب ص۸۹۔ کلیات ولی سے اس کی شہادت نہیں ملتی، حروف کا دب کر نکلنا یا

لہ وفات ولی ۱۱۱۹ھ (ولی گجراتی ص۵۸)، آغاز عہد محمد شاہ ۱۱۳۱ھ۔ یہ قریب یقین ہے کہ ولی عہد عالمگیری میں دہلی گئے تھے۔ لیکن سنہ کی تعیین ہمارے مرحوم قائم کے قول پر ہے جو ولی کا معاصر نہیں۔

تقطیع میں بالکل ساقط ہو جاتا ایسی بات نہیں جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ عروض سے بے خبر تھے۔

(۱۰۴) ولی عربی نہیں جانتے تھے آب ص۸۹۔ قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں (ولی گجراتی ص۸۳)

(۱۰۵) مضمون کا اصلی وطن جاجمؤ "علاقۂ اکبر آباد" تھا آب ص۱۱۰۔ جاجمؤ ضلع کانپور میں ہے، وطن اصلی جاجو تھا جہاں معظم و اعظم کی جنگ ہوئی تھی۔ یہ اکبر آباد یا گوالیار سے متعلق ہے۔

(۱۰۶) یک رنگ باوجود "کہن سالی" و "کہنہ مشاقی" "آخر عمر" میں مظہر سے اصلاح لیا کرتے تھے، ان کا شعر ذیل اس پر شعر ہے:

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے — گر جواں بھی ہے تو میرا پیر ہے" آب ص۱۰۶

(الف) "جس کے درد الخ" میں مظہر کی طرف اشارہ ہے، یہ کسی طرح ثابت نہیں، ان کے ایک دوسرے شعر میں البتہ مظہر کا ذکر ہے، مگر تلمذ کا ثبوت اس سے بھی نہیں ملتا:

یک رنگ نے تلاش کیا ہے بہت ولے — مظہر سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں

(ب) شعرائے اردو کا کوئی تذکرہ نگار یک رنگ سے ذاتی واقفیت کا مدعی نہیں؛ قرینہ ہے کہ میر کے مستقل طور پر دہلی آنے سے پیشتر ہی ان کی شمع حیات گل ہو چکی تھی۔ سال ولادت و وفات در کنار، کسی تذکرے سے یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ کیا عمر پائی تھی۔ اس صورت میں قطعی طور پر یہ کہنا کہ یک رنگ و مظہر کی عمروں میں کیا تفاوت تھا، ممکن نہیں؛ قرائن البتہ اس پر دال ہیں کہ یک رنگ مظہر سے پانچ چھ برس بڑے تھے (ج) آزاد یہ نہیں بتاتے کہ یک رنگ مظہر سے قبل کس سے اصلاح لیا کرتے تھے (د) تلمذ مظہر کی کوئی قابل وثوق شہادت موجود نہیں، کسی نے یہ لکھا ہے تو "یک رنگ نے تلاش الخ" سے دھوکا کھا کر لکھا ہے (ہ) آرزو کی تنبیہ الغافلین کے جو عبارات صہبائی کی قول فیصل میں منقول ہیں، ان میں سے ایک شاگردی آرزو پر شعر ہے ص۱۳۹ اور مخزن نکات اس کا مصدق ص۱۰

(۱۰۷) بل بے ساقی تیری بے پروائیاں — جائیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں

آب ص۱۴۳ میں بنام سودا، لیکن، بیدار کا مطلع ہے (تذکرۂ ہندی ص۳۵، مجموعۂ نغز ا ص۱۲۲، انتخاب دیوان از حسرت ص۹)۔ آب میں مصرعوں کی ترتیب صحیح نہیں؛ "ساقی" بھی غلط ہے، "ظالم" چاہیے۔

(۱۰۸) بے وفائی کیا کہوں تجھ ساتھ مجھ محبوب کی — تیری نسبت تو میاں بلبل نے گل سے خوب کی

آب ص۱۵۰ میں سودا کی طرف منسوب ہے اور کلیات مطبوعہ جلد ا ص۱۵۹ میں پوری غزل موجود ہے، لیکن کلیات کے معتبر خطی نسخے اس سے خالی ہیں۔ سوز کی جو بیسیوں غزلیں سودا کے کلیات مطبوعہ میں داخل ہو گئی ہیں، انھیں میں سے یہ بھی ہے تفاصیل "آوارہ گرد اشعار" کی اس قسط میں ملیں گے جو نقوش لاہور میں شائع ہونے والی ہے۔ یہ غزل دیوان سوز ملوکۂ جناب علی حیدر میں شامل ہے۔

(۱۰۹) جو ستمگر ہیں کبھی وہ پھولتے پھلتے نہیں — سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

آب ص ۱۶۵ میں بنام ناسخ، لیکن، کلیات اس سے خالی ہے۔ شعر سودا کا ہے اور کلیات نوشتہ ۱۱۹۳ھ میں جو میرے پاس ہے، شکل ذیل میں موجود ہے:

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں — سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

(۱۱۰) غلام ضامن "رتبے کے فاضل" مرزا فاخر، مکیں کے پاس شاگرد ہونے گئے، مگر وہ ان کے "عجز و انکسار" کے باوجود، کج خلقی سے پیش آئے، ناچار یہ شعر پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوئے:

مرزا مکین ما نشود چوں بکین ما — کین است جزو اعظم مرزا مکین ما

" آب ص ۱۶۹ نگار میں شعر کی اس شانِ نزول کو یکقلم نظر انداز کرتے ہوئے کسی سند کے بغیر لکھا ہے کہ نورالعین واقف لکھنؤ جا کر مکیں سے ملا، مکیں نے اس کے کلام پر " اعتراض اور اصلاحیں جا و بیجا کر کے بنیاد لڑائی کی ڈالی" واقف نے اس پر یہ شعر کہا ص ۲۲۶۔ اس طریق کار سے پڑھنے والوں کو یہ فیصلہ کرنے میں کہ شعر واقعی کس کا ہے، مطلق مدد نہیں مل سکتی۔ میری تحقیقات کے نتائج حسب ذیل ہیں: غلام ضامن کا ذکر تذکرۂ علمائے ہند، مصنفۂ رحمٰن علی میں نہیں، روز روشن (اواخر ماۂ ۱۳) کے ص ۴۰۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام ضامن، متخلص بضامن فارسی گو، مقیم لکھنؤ معقولات میں مستعد ان زمانہ سے تھے اور اس کتاب کے ص ۲۴۶ سے مستفاد ہوتا ہے کہ انھیں معتمد الدولہ آغا میر، وزیر غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر سے توسل تھا۔ ضامن نے مکیں (متوفی ۱۲۲۱ھ) کا زمانہ پایا ہوگا، لیکن، آب میں جو حکایت ہے، کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دیوان واقف کے مطبوعہ نسخے (لاہوری و نولکشوری) اور اس کے دو مخطوطات جو کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ (ع م) میں ہیں، شعر زیر بحث سے خالی ہیں، لیکن یہ بات کہ مکیں نے واقف کے اشعار پر اصلاحیں دی تھیں، عبرت الغافلین (کلیات سودا ۲ ص ۲۷۳) سے ثابت ہے اور شعر اس اختلاف کے ساتھ کہ "ما... بکین ما" کی جگہ " چرا نبود در کمین ما" ہے پھلواری شریف پٹنہ کی ایک بیاض میں جس پر وصی احمد قادری کی مہر ہے اور جو اواسط ماۂ ۱۳ کی مرتب کی ہوئی معلوم ہوتی ہے، موجود ہے، اور اس کے ساتھ یہ عبارت مرقوم ہے: "ہجو مرزا فاخر مکیں از نورالعین واقف"۔ دیوان انشا (م ۲ ورق ۴۲) کا قطعۂ ذیل بھی اس پر مشعر ہے کہ نورالعین نام کے ایک شخص نے مکین و کیں میں تعلق دکھایا تھا:

فاخر مکیں کا نام سن جو کین لادے دھیان میں — ملعون کر چھوڑوں اسے تب دل کو میرے چین ہو
گر فتح ہوئی کینے تئیں کی تقدیر پر — پورا العیں پڑھے اسے جو شخص نورالعین ہو

(۱۱۱) "سودا کے عہد میں بھی اس مادۂ فاسد (ایہام) کا بقیہ چلا آتا تھا، چنانچہ... ایک قصیدے میں

ان بزرگوں (ایہام گویانِ عہدِ محمد شاہ) کی شکایت کی ہے"۔ اس "قصیدے" کا یہ شعر بھی آزاد نے دیا ہے:

"سو نہ ہو پرورشِ شانہ تو پھر ہے موسل رامپور کی ہو کناری تو کہیں سیتا پھل" آب ص۱۸۱

(الف) آزاد نے مخمس کو قصیدہ کہا ہے۔ اس کے ۳ بند (پہلا، تیسرا اور آخری) درج ذیل ہیں:

"کامل فن سخن کہتے ہیں اس کو اکمل پرورش لفظ کی منظور ہو جس کو اول
پر نہ یاں تک کہ عبارت ہی کو کر دے مہمل اعتقاد ان کا ہے یوں وہ جو کئی ہیں اجہل
سو نہ ہو پرورش شانہ میں تو ہو موسل"

"ریش بابا جو سنی ہے کوئی قسم انگور شانہ و دمہ بن اس کا وہ نہ لادیں مذکور
ربط الفاظ کو معنی سے نہ دیں تا مقدور لف و نشر ان کو مرتب جو ہو کرنا منظور
رام پور کی یہ کناری لکھیں اور سیتا پھل

"عالم ربط میں تھا ان سے تو میرا یہ معاش جائے دشنام کہا شعر سن ان کا شاباش
لیکن اب کیونکہ انھوں کا نہ کر دوں پردہ فاش بتنزل کرنے جب ریختہ میرا ابلاش
مانند جیسا اس فارسی میں وہ جونہ ہو مستعمل" (کلیات ا ص۲۰۹)

(ب) آب میں جو شعر ہے اس کا ایک مصرع بند اول اور دوسرا بند ۳ سے لیا گیا ہے اور دونوں کا متن غلط ہے۔

(ج) اس مخمس کا کمیں سے تعلق ہے، ایہام گویوں سے اس کا کچھ سروکار نہیں (معاصر حصہ ا ص۴۲)

(۱۱۴) "خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا، سودا ان دنوں میں نوجوان تھے، مطلع پڑھا:

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے جبیں کو

"آرزو نے فوراً یہ شعر پڑھا کہ قدسی کے مطلع پر اشارہ ہے:

شعر سودا حدیث قدسی ہے چاہئے لکھ رکھیں فلک پہ ملک
آلودۂ قطرات عرق دیدہ جبیں را اختر ز فلک می نگرد روے زمیں را

سودا بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے، خان صاحب کے گلے سے لپٹ گئے اور اس شکریے کے ساتھ خوشی ظاہر کی گویا حقیقتاً خان صاحب نے ان کے کلام کو مثل حدیث قدسی تسلیم کیا ہے" آب ص۱۴۲

(الف) مجموعۂ نغز جلد ا کے ترجمۂ آرزو میں ہے: "روزے در مجلس مشاعرہ کہ در خانۂ خاں... انعقاد می یافت،... سودا غزل... قدسی را بطور خود مترجم ساختہ، برخواندن ہمت گماشت... خاں تحسین بلیغ فرمودہ و در اثنائے توصیف بدیہتہً بر زبان... جاری نمود کہ: "شعر سودا حدیث قدسی ہے لکھ رکھیں چاہئے فلک پہ ملک" مرزا بے اختیار برخاستہ بر سینۂ خاں چسپید و سخن ہمراہ و

طبیعت کشید" ص۳۵ (ب) مجالس رنگین میں "آلودہ" سے شروع ہونے والے دونوں شعر موجود ہیں اور سودا کے سرقے کی مثال میں پیش ہوئے ہیں ص۴۔ فارسی شعر کا مصنف کون ہے، رنگین نے یہ نہیں بتایا، صرف یہ کہا ہے کہ کسی استاد کا ہے۔ (ج) مشاعرے کا زمانہ قاسم نے معین نہیں کیا، اور نہ یہ لکھا ہے کہ سودا اس وقت نوجوان تھے۔ یہ آزاد کا اضافہ ہے جس کا انھیں حق نہ تھا۔ آرزو وفات صفدر جنگ (ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ) کے بعد اودھ گئے ہیں، اس وقت در اصل سودا کی عمر ۵۰ کے لگ بھگ تھی اور خود آزاد کے قول کے مطابق بھی (۱۱۲۵ھ سال ولادت آب ص۱۴۸) ۴۰ برس سے زیادہ کی تھی۔ (د) قاسم نے غزل لکھا ہے، آزاد نے اسے بلا سبب مطلع بنا دیا ہے اور کسی سند کے بغیر یہ فرض کر لیا ہے کہ مجالس کا مطلع وہی ہے جو مشاعرے میں پڑھا گیا تھا (ہ) شعر آرزو کے مصرع ثانی کی ترتیب الفاظ آب میں غلط ہے (و) "مرزا بے اختیار... کشید" اور "سودا بے اختیار... کیا ہے" میں بدیہی تفاوت ہے (ز) فارسی شعر قدسی کے دیوان مطبوعہ اور م کے کل مخطوطات دیوان سے غیر حاضر ہے اور آزاد اور ان کے مقلدین کے سوا کسی نے اسے قدسی سے منسوب نہیں کیا۔ (ح) کلیات سودا میں کوئی ایسی غزل نہیں جو قدسی کی غزل کا ترجمہ کہی جا سکے۔ یا تو سودا نے اسے شامل کلیات نہیں کیا، یا قاسم کا بیان ہی غلط ہے۔ (ط) میرا خیال ہے کہ "آلودہ... را" ان اشعار میں ہے جن کی طرف سودا نے اپنے لامیہ مخمس کے آخری بند (رجوع بہ بحث ۱۱۱) میں اشارہ کیا ہے۔ مجالس سے قبل کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

(۱۱۳) بحوالہ عبرت الغافلین سودا: "حکیم بو علی خاں، ہاتف بنگالہ میں" آب ص۱۶۶۔ سودا نے ہاتف کو "حکیم" نہیں لکھا، اور نہ کسی اور نے یہ کیا ہے۔ سودا کے یہاں بنگالہ نہیں، بنگلہ ہے (کلیات ص۳۷۷) جس سے فیض آباد مراد ہے۔

(۱۱۴) "خود سودا سے زباں بزباں روایت پہنچی ہے کہ جو غزل ("قصیدہ" بقول قاسم) فارسی ان کی ہجو میں... ندرت کشمیری نے کہی اور مرزا نے اسے مخمس کر کے اسی پر الٹ دیا، اس کے مطلع پر... آرزو نے مصرع لگا دیے تھے، باقی تمام مخمس مرزا کا ہے" آب ص۱۷۳۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آزاد نے یہ روایت خود کسی سے سنی تھی اور اس کا سلسلہ سودا تک پہنچتا تھا، مگر یہ مجموعۂ نغز (۱ص۲۶) میں موجود ہے۔ قاسم کی تمہیدی عبارت یہ ہے: "عزیزے صاف گو زبانی... سودا نقل می کند" مجمع النفائس (م ورق ۱۸۶، ترجمۂ سرودی) کی عبارت ذیل میں ندرت ہی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے "شنیدہ ام کہ یکے از اہل کشمیر اصطلاحات قدیمہ و جدیدہ می نویسد۔ جمیع مرکبات سراج اللغۃ و چراغ ہدایت را داخل نمودہ بزیر دامن دیانت (۹) پنہان ساختہ، تا دیگرے

واقف بر آں نشود"۔ انڈیا آفس کے مخطوطات فارسی کی جلد ۱ میں عین عطا نوشتۂ عطاء اللہ، دانشوخاں تخلص بہ ندرت کا حال مرقوم ہے جو ۱۱۶۳ھ میں تمام ہوئی تھی اور جس کے دیباچے میں سراج اللغہ، بہار عجم کا خاص طور پر بحیثیت مآخذ ذکر ہے۔ قاسم نے ندرت کا نام ہدایت اللہ لکھا ہے، لیکن صحیح عطاء اللہ ہی ہوگا اور یہی عین عطا ہے جو آرزو کے عتاب کا باعث ہوئی ہے۔

(۱۱۵) غنچہ سودا کے غلام کا نام تھا آب ص۱۵۴۔ اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(۱۱۶) میر، پسر میر عبداللہ آب ص۲۰۲۔ یہ بات اواسط ۱۳۰۰ھ سے قبل کسی نے نہیں کہی۔ ذکر میر ص۶۲ سے ثابت ہے کہ میر کے والد کا نام محمد علی تھا۔

(۱۱۷) میر میر عبداللہ کی پہلی بی بی سے تھے، وہ مر گئیں تو خان آرزو کی بہن سے شادی کی آب ص۲۰۳۔ آزاد کے بیان کی تردید کے لیے یہ کافی ہے کہ میر کے سوتیلے بھائی جو آرزو کے بھانجے میر سے بہت بڑے تھے (ذکر میر ص۵۹)

(۱۱۸) میر متوفی ۱۲۲۵ھ نے سو برس کی عمر پائی آب ص۲۰۶۔ نوادر الکلما کے اس اقتباس سے جو مقدمۂ کلیات میر نوشتۂ آسی مرحوم میں شامل ہے (ص۸ و ص۹) ثابت ہے کہ وہ ۱۱۳۵ھ میں پیدا اور نوے برس کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ اس کتاب کا اقتباس نہ بھی ہوتا تو ذکر میر اس کی تغلیط کے لیے کافی تھی کہ عمر سو برس کی تھی۔

(۱۱۹) کمسن سال بزرگوں سے سنا کہ جب میر محمد تقی نے میر تخلص رکھا تو ان کے والد خفا ہوئے آب ص۲۰۳۔ ذکر میر ص۲۷ و ص۵۵ سے ثابت ہے کہ اپنے والد کی وفات کے وقت میر دس گیارہ برس کے تھے، اس وقت تخلص رکھنا خارج از بحث ہے۔

(۱۲۰) منت کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ ان کا وطن سونی پت ہے تو میر نے کہا: "سید صاحب، اردوئے معلّٰی خاص دلی کی زبان ہے، آپ اس میں تکلیف نہ کیجیے، اپنی فارسی وارسی کہہ لیا کیجیے!" آب ص۲۱۰۔ اس کی کوئی سند موجود نہیں۔ خود میر دہلوی نہیں، اکبر آبادی تھے، اور ان کے متعدد تلامذہ دہلوی نہ تھے۔ منت کا مولد بھی سونی پت نہ تھا، دہلی تھا (عقد ثریا)

(۱۲۱) سعادت یار خاں رنگین شاگرد ہونے گئے، میر نے کہا: "آپ امیر اور امیر زادے ہیں، نیزہ بازی تیراندازی کی کثرت کیجیے، شہسواری کی مشق فرمائیے۔ شاعری دل خراشی و جگر سوزی کا کام ہے، آپ اس کے درپے نہ ہوں" بہت اصرار کیا تو بولے: "آپ کی طبیعت اس فن کے مناسب نہیں، آپ کو نہیں آنے کا۔ خواہ مخواہ میری اور اپنی اوقات ضائع کرنی کیا ضرور ہے!" آب ص۲۱۱۔ اس کی بھی سند نہیں، اور خلاف قیاس ہے۔

(۱۲۲) معلوم ہوتا ہے کہ میر . . کو تاریخ گوئی کا شوق نہ تھا۔ علیٰ ہذا القیاس مرثیہ بھی دیوان میں نہیں" آب ص۲۸۵
کلیات مطبوعہ میں مراثی نہیں، لیکن کلیات کے خطی نسخوں میں بکثرت مراثی ہیں، جن کا مجموعہ جناب
سید مسیح الزماں نے شائع کر دیا ہے؛ تفاصیل اس مجموعے کے مقدمہ میں ملیں گے۔

(۱۲۳) دعویٰ بڑا ہے سوز کو اپنے کلام کا — جو غور کیجئے تو ہے کوڑی کے کام کا

اس شعر کے متعلق لکھا ہے کہ دیوان سوز میں جو مثنوی ہے اس کے آغاز کا شعر ہے آب ص۱۹۷۔ اس
شعر کا مثنوی سے کچھ تعلق نہیں، (معاصرا ص۱۴۶)

(۱۲۴) کمترین کا نام آب کے ص۲۱۱ میں دو جگہ میر خاں لکھا ہے، صحیح پیر خاں ہے (مجموعۂ نغز و عیار الشعرا وغیرہ)

(۱۲۵) مائل شاگرد قائم آب ص۲۰۲، لیکن خود قائم نے مخزن نکات میں انھیں قدرت کا شاگرد لکھا ہے ص۲۰۰
تلمذ قدرت کا ذکر ضروری تھا۔

(۱۲۶) "ایک دن اختلاط میں" فغاں کا کپڑا شجاع الدولہ کے ہاتھ سے جل گیا، یہ رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے"
آب ص۱۲۴۔ آزاد نے حوالہ نہیں دیا، لیکن انھوں نے یہ بات تذکرۂ ہندی سے لی ہے۔ آزاد، مصحفی
کے بیانات میں جو تفاوت ہے تذکرے کی عبارت ذیل سے ظاہر ہو گا: "بملازمت . . شجاع الدولہ . .
رسیدہ یکے از مقرباں گردید۔ دریں ہاں نزدے (نزدیکی) روزے نواب وزیر دستش را در عالم
اختلاط از قفس سوختند، آب در دیدہ گردانید و ہیچ نگفت و آخر بایں حرکت آزردہ شدہ،
بطرف عظیم آباد رفت" ص۱۴۰

(۱۲۷) ایک دن شتاب رائے نے از راہ طنز یا سادہ مزاجی فغاں سے کہا: "نواب صاحب ملکۂ زمانی کو احمد شاہ
درانی کیوں کر لے گیا؟" انھیں ناگوار ہوا، افسردہ ہو کر بولے: "مہاراج، جس طرح سیتا جی کو راون
لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا" آب ص۱۲۶ ملکۂ زمانی محمد شاہ کی بی بی اور اس کی دوسری زوجہ صاحبۂ محل
کی خالہ زاد بہن۔ موخر الذکر کی بیٹی حضرت محل سے احمد شاہ نے بجبر عقد کیا، تو یہ دونوں اپنی مرضی سے
حضرت بیگم کے ساتھ گئیں۔ (تاریخ عالمگیر ثانی مجہول المصنف م ۱۴۱۶۲ ص۲۲۰) آزاد کو حقیقت کا علم
نہ تھا، لیکن یہ بات شتاب رائے کے متعلق فرض نہیں کی جا سکتی۔ اس سے قطع نظر، وہ ایک شائستہ
آدمی تھا، شاہی خاندان کی ایک خاتون کے بارے میں ایسی بات شاید ہی اس کی زبان سے نکل سکتی۔

(۱۲۸) ۱۲۷ میں جو سوال و جواب درج ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ فغاں نے اسی دن سے دربار جانا چھوڑ دیا
آب ص۱۲۳۔ فغاں و شتاب رائے کی ناچاقی کا حال آزاد کے سوا کسی نے نہیں لکھا۔ اس کی کچھ
اصلیت ہوتی تو عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے تذکرہ نگار اس کا ضرور ذکر کرتے۔

(۱۲۹) ترجمۂ فغاں میں میاں جگنو سے متعلق جو شعر ہے (آب ص۱۲۵) وہ دیوان فغاں کے کسی نسخے میں نہیں

اور آزاد نے شعر کے بارے میں جو حکایت لکھی ہے وہ بھی آب کے سوا کہیں نہیں ملتی۔

(۱۳۰) دیوان "میر حسن اب نہیں ملتا" آب ص۲۵۷ دیوان غزلیات وفات آزاد کے بعد طبع ہوا ہے، لیکن تلاش کرتے تو انھیں بکثرت خطی نسخے ملتے۔ مجھے پندرہ سولہ نسخوں کے وجود کا علم ہے اور ان میں سے حسب ذیل میری نظر سے گزرے ہیں: کتب خانۂ رضائیہ کے دو نسخے، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا نسخہ، نسخۂ ناقص جدید العہد ملک راقم، نسخۂ دوم، نسخۂ جناب زکی الحق پٹنہ، عکس نسخۂ برٹش میوزیم۔

(۱۳۱) مصحفی نے "دو تذکرے شعرائے اردو کے لکھے.. ایک.. فارسی کا" آب ص۳۱۱ "تذکرے خوب لکھے ہیں.. اور ان میں اپنے کل شاگردوں کی بھی فہرست دی ہے" ص۳۱۳، ترجمۂ ناسخ میں لکھا ہے کہ "تلمذ مصحفی والی روایت" قابل اعتبار نہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے تذکرے میں تمام شاگردوں کے نام لکھ دیے ہیں، ان کا نام نہیں، ص۳۴۶

(الف) آزاد نے عقد ثریا یقیناً اور تذکرۂ ہندی غالباً دیکھا تھا، لیکن ریاض الفصحا ان کی نظر سے گزرا ہو اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ یہ بات کہ دو تذکرے شعرائے اردو کے ہیں۔ سراپا سخن ص۵۵ سے ماخوذ ہے، لیکن، ریاض عقد ثریا و تذکرۂ ہندی کا تکملہ ہے اور اسے اردو فارسی دونوں سے تعلق ہے (ب) یہ صحیح نہیں کہ مصحفی کے تذکرے میں ان کے تلامذہ کی فہرست ہے، ان کے تذکروں میں کسی کا ذکر نہ آنے سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ان کا شاگرد نہ تھا۔ وہ آخری تذکرے کی تکمیل کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد جو شعرا حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے ہیں، ان کا نام ان تذکروں میں بحیثیت شاگرد نہیں ہو سکتا۔

(۱۳۲) چالیس برس کا ہے چالیس کے لائق تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیراب کے مقرر ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

مصحفی سلیمان شکوہ کے استاد تھے، اس علاقے کا خاتمہ ہوا اور چند روز بعد تنخواہ گھٹی تو مصحفی نے یہ اشعار کہے۔ آزاد نے ان کے علاوہ اس زمین کے دو اور اشعار دیے ہیں آب ص۳۱۷ مصحفی سلیمان شکوہ کے استاد نہ تھے، اور یہ اشعار ان کے یہاں سے برطرف ہونے کے بعد بہت بعد کے ہیں، ان کا ان اشعار سے کچھ سروکار نہیں (مصحفی و انشا از راقم، اردو ادب)

(۱۳۳) جرأت نے "زبان فارسی کی طرف خیال بھی نہ کیا" آب ص۲۴۰ انیس الاحبا (نسخۂ ام) فارسی گویوں کا تذکرہ ہے جو جرأت کے ایک معاصر نے لکھا ہے، اس میں ان کے فارسی اشعار موجود ہیں، از آں جملہ:

تنہا نہ دل ز عشق تو بیتاب گشتہ است - چنداں گریستم کہ دم آب گشتہ است

بے روے تو اے سرو دلم آرام ندارد این صبح فراق تو مگر شام ندارد
کس نیست درجہاں کہ دو کس را یکے کند عشق است اینکہ شعلہ و خس را یکے کند

(۱۳۴) "جرأت نے قصیدہ وغیرہ اقسام شعر پر ہاتھ نہ ڈالا" آب ص۲۴۰ شاید ہی کوئی قسم شعر جس میں جرأت کے معاصرین کا کلام موجود ہے، ایسی ہو جس کا نمونہ کلیات جرأت میں نہیں! غزل، قصیدہ ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس، مثنوی، رباعی، قطعہ واسوخت، ریختی، مرثیہ سب کچھ ان کے یہاں ملتا ہے تین قصیدے جو کلیات مملوکۂ ریاض حسن خاں خیال مرحوم میں جواب غالباً ان کے بھتیجے جناب احمد حسن خاں کے پاس ہے، شامل ہیں، ان کے افتتاحی مصرع یہ ہیں: "بھلا بشر کی پھر اوقات کا ہو کیونکہ نباہ" "کھلے گی آبلۂ دل کی ایک بار گرہ" "مہ فلک سے زمیں.. مل جا" (آخری مصرعہ میری بیاض میں ٹھیک نقل نہیں ہوا)۔

(۱۳۵) "مثنوی ماتۂ حال.. اگرچہ وہ بڈھے ہو کر بھی بچوں سے آگے دوڑتے تھے، مگر یہ بھی اوائل عمر کی معلوم ہوتی ہے" آب ص۲۷۵ یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں، خود مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ سعادت علی خاں کی مسند نشینی (۱۲۱۲ھ) بعد کی ہے، اس وقت انشا اپنی عمر کے پانچویں عشرے میں تھے۔

(۱۳۶) آزاد نے نشاط کا قطعہ نقل کیا ہے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انشا ۱۲۳۳ھ میں فوت ہوئے تھے آب ص۲۶۹ یہ قطعہ کہیں اور نہیں ملتا، آزاد کو یہ بتانا تھا کہ انھیں کہاں ملا۔ اس سے قطع نظر، مصحفی کے ایک قطعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سال وفات ۱۲۳۲ھ ہے (مصحفی و انشا) میرے نزدیک یہی مرجح ہے۔

(۱۳۷) ناسخ نے پہلے پہل مشاعرے میں غزل پڑھی تو اس وقت منظر و گرم زندہ تھے اور مرزا حاجی، قتیل اور حاجی محمد صادق خاں، اختر نے بڑی قدردانی کی آب ص۲۴۷ (بروایت رتمی) منظر کا سال وفات ۱۲۱۷ھ ہے (معاصر حصہ ا ص۱۵۹)، اس بنا پر ابتدائی غزلخوانی کا زمانہ ۱۲۱۷ھ یا اس سے بھی پیشتر ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ مصحفی کے دیوان ششم کے دیباچے کی تحریر سے قبل ہی ناسخ کی استادی مسلم ہو چکی تھی، لیکن، قریب بہ یقین ہے کہ اختر اس وقت لکھنؤ میں نہ تھے، اور ہوں بھی تو ان کی عمر اتنی کم تھی کہ ان کی تعریف کا کوئی خاص وزن نہیں ہو سکتا تھا۔ اختر کا سال پیدائش ۱۲۰۱ھ ہے (معاصر ا ص۱۷۱) "حاجی محمد صادق خاں اختر" میں "حاجی" یا تو طباعت کی غلطی ہے، یا آزاد کا سہو، "حاجی" کہیں اور نہیں ملتا، سب انھیں "قاضی" لکھتے ہیں۔

(۱۳۸) ناسخ کے خطوط لکھی نے چرا لئے تو تاریخ کہی: "سیاہ مچو قلم باد روے حاسد من" آب ص ۳۶۹
آزاد نے یہ نہیں لکھا کہ اس سے کون سا عدد نکلتا ہے، وہ اگر اس پر غور کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ
اس سے ۱۲۸۶ مستخرج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ناسخ کی زندگی کے کسی واقعے کا تعلق نہیں ہو سکتا۔
کلیات (مطبع مولائی ص ۳۵۲) میں "حاسد من" کی جگہ "آں خائن" ہے اور اس صورت میں ۱۲۳۰ برآمد
ہوتا ہے اور یہی کلیات میں مرقوم ہے۔

(۱۳۹) "پھر چار خط جاتے رہے، تاریخ کہی ع: صد حیف تلف چہار نامہ" آب ص ۳۶۸۔ کلیات ناسخ میں
یہ اور اس سے قبل والی تاریخ یکے بعد دیگرے درج ہے اور اس کے ساتھ بھی ۱۲۳۵ مرقوم ہے۔
مادۂ تاریخ آزاد نے غلط لکھا ہے، قطعہ یہ ہے:

ز سود بگفت ہزار خامہ اے واے ہم ریخت پسر و بال حامہ اے واے
گفتند چو خط تلف بگفتم تاریخ صد حیف تلف چہار نامہ اے واے

قطعات کی بنا پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ ایک ہی واقعے کی دو تاریخیں ہیں، یا ان کا دو مختلف واقعات
سے تعلق ہے۔ "صد حیف تلف چہار نامہ" سے ... نکلتا ہے "صد حیف... اے واے" سے
۱۰۳۵ مستخرج ہوتا ہے۔ دو سو کی کمی کس طرح پوری ہو سکتی ہے، اس کا پتا نہیں چلتا۔

(۱۴۰) ناسخ کو "قصائد کا شوق نہ تھا، چنانچہ نواب لکھنؤ کی تاریخ و تہنیت میں کبھی کچھ کہا ہے تو بطور قطعہ" آب
ص ۳۵۳ "وہ قصیدہ کہتے تو خوب کہتے مگر... اس طرف توجہ نہ کی" ص ۳۵۷ مگر ص ۳۶۸ میں قصیدے
کا صلہ پانے کا ذکر ہے، اور ان کا ایسا قصیدہ جو کلیات مطبوعہ میں شامل نہیں، جناب مسعود حسن
رضوی کی نظر سے گزرا ہے جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب (متعلق آب) میں لکھا ہے۔ کلیات میں مدح
و تہنیت کی ایسی نظمیں موجود ہیں، جن کے ابیات میں کوئی خاص ربط نہیں اور یہ مثنوی یا غزل
کی شکل میں ہیں (ص ۱۸۳ ص ۳۸۳ وغیرہ)

(۱۴۱) مرزا حاجی "نہایت رسا اور... باتدبیر شخص تھے... سعادت علی خاں اور... رزیڈنٹ کے
درمیان واسطہ ہو کر اکثر مقدمات سلطنت کو روبراہ کرتے تھے، لاکھوں... کی املاک بہم پہنچائی
تھی... اپنے گھر میں بیٹھے اہل عالم کو امیرانہ شان دکھاتے تھے" آب ص ۳۴۵۔ آزاد نہ یہ جانتے ہیں
کہ مرزا حاجی کون تھے اور نہ انھیں اس کی واقفیت ہے کہ ان کے اور ناسخ کے کیا تعلقات تھے۔ ان
کے والد مرزا جعفر کو رزیڈنٹ سے توسل تھا، خود یہ سعادت علی خاں کے زمانے میں چنداں
اہمیت نہیں رکھتے تھے، ان کے بعد البتہ کچھ دنوں ان کا عروج رہا۔ کمال الدین حیدر قیصر التواریخ
میں لکھتے ہیں: "نواب (آغا میر) نے... ناسخ... جو مرزا (حاجی) ہمدم کے راز مقرب خاص تھے

اور ان کا فروغ و رشد سارا شہر جانتا ہے کہ ان کے گھر سے.. حاصل ہوا بالطبع دنیا.. موافق و متوسل کیا، انھوں (مانخ) نے بھی ندامت سے ہاتھ اٹھایا اور بظاہر حیلۂ آبرو ریزی حاکم وقت سے جان کر آمد رفت بالکل مرزا کے پاس آنے کی ترک کی، اس کے سوا اپنا رسوخ سمجھ کر درپے تخریب اپنے ولی نعمی (مرزا حاجی) ہوئے" ص ۶۹

(۴۲) ہندوستانی الٰہ آباد (بابت جنوری و اپریل سنہ ۱۹۴۷ء) میں شیرانی کا ایک مقالہ "دیوان ذوق میں مولانا آزاد کے اضافے" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے آزاد کے لکھے ہوئے کاغذات کی بنا پر جو انھیں آغا محمد باقر سلیمانی، نبیرۂ آزاد سے ملے تھے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ دیوان ذوق، مرتبہ آزاد کی ۱۴ غزلیں جن کے ابتدائی مصرعے ذیل میں درج ہیں، خود آزاد کی طبعزاد ہیں۔ بعض کاغذات کے بلاک بھی مقالے میں شامل ہیں۔ اس مقالے کے مطالعہ کے بعد یہ ممکن نہیں کہ کوئی انصاف پسند شخص ان سے اختلاف کرے: "ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارت گر کے جھگڑے ہیں" (دیوان طبع سنہ ۱۹۲۲ء ص ۱۳۷) "خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے" ص ۲۲۶ "مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے" ص ۲۲۶ "چشم قائل ہیں کیونکر نہ بھلا یاد رہے" ص ۲۲۷ "تدبیر نہ کر فائدہ تدبیر میں کیا ہے" ص ۲۲۸ "پھر یہ وا ہے شگر پیشتر ایسے نہ ہوتے تھے" ص ۲۲۹ "نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے" ص ۲۲۹ "برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی" ص ۲۳۰ "حذر قم سے وصف جبیں ہے صنم پر سے" ص ۲۳۱ "ذکر مژگاں جس کا تیرے روبرو نکلا کرے" ص ۲۳۲ "خم ابرو ترا جب یار نظر آتا ہے" ص ۲۳۳ دکھلا نہ خال ناف تو اے گلبدن مجھے" ص ۲۳۴ "مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے" ص ۲۳۵ "نہ دیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے" ص ... ۱۴ غزلوں کے متعلق تو ثبوت موجود ہے، آزاد کے مرتبہ دیوان ذوق میں خود ان کا اور کلام بھی ہو تو عجب نہیں۔

(۴۳) شیرانی اسی مقالے میں جس کا ذکر ۴۲ میں آیا ہے لکھتے ہیں: "غزل اول، اس غزل کے واسطے مولانا فرماتے ہیں: "عالم شباب کی غزل ہے.. بادشاہ کو پسند آگئی تھی.. کشش کی مقناطیس بہت ہی لگائی مگر استاد نے بھی نہیں چھوڑی۔ حکیم احسن اللہ خاں.. بڑے مقرب تھے.. انھیں یہ غزل بہت پسند تھی، حضور کے سامنے انھیں کی زبان سے نکل گئی تھی (دیوان.. ص ۱۳۷)۔ بیانات بالا میں سے ایک پر بھی مہر تصدیق نہیں لگائی جا سکتی۔ مولانا.. عالم شباب کی نوشتہ بتاتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ کو پسند تھی۔ اس حساب سے.. تخت نشینی کے بعد لکھی گئی ہوگی۔ یہ مان کر کہ پہلے سال جلوس ۱۲۵۳ھ میں لکھی گئی تھی، ذوق کی عمر اس وقت ایک کم پچاس برس کی ہونی چاہیے.. یہ.. شیب کا زمانہ ہے، نہ شباب کا.. غزل کے مقطعے میں بادشاہ پر صاف صاف حملہ ہے، اگر حکیم

احسن اللہ خاں چاہتے بھی تو بادشاہ تک پہنچانے کی جرات نہ کرسکتے تھے۔ نہ غزل ایسی اعلیٰ پائے کی ہے کہ جس کے واسطے بادشاہ اور ذوق کے درمیان رسا کشی ہوتی، لیکن، بادشاہ مانگتے کہاں سے اور استاد دیتے کہاں سے، جب اس زمانے میں اس غزل کا وجود ہی نہ تھا۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اس۔۔ کے مصنف خود۔۔ مولانا ہیں۔۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہی کاغذ جس پر مولانا نے۔۔ اس کا مسودہ اپنے خط میں تیار کیا ہے پیش کیا جا سکتا ہے۔۔ س ۔۔ کو ۱۴ شعروں کا بلاک جس میں مقطع بھی آ گیا ہے، یہاں شامل کر دیا گیا ہے۔ مقطع میں۔۔ حسب معمول ظفر کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔۔ یہ صرف ۹ شعر کی غزل ہے لیکن ۱۴ جگہ بغرض درستی و اصلاح اس پر قلم پھیرا گیا ہے اور ہر تبدیلی پہلی تبدیلی سے بہتر و روشن تر ہے۔ اگر اس کو مسودہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟" مقطع یہ ہے:

ذوق مرتب کیونکے ہو دیواں شکوۂ فرصت کس سے کریں

باندھے گئے ہیں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

(۱۴۴) جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہے گر اس میں تو لعف سرکش ہو

پھر زلف بنے وہ دست موئی جس میں اخگر آتش ہو

آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں: "ذوق نے نصیر سے اصلاح لینی بند کر دی تھی، لیکن، آمد و رفت جاری تھی کہ ایک دن ذوق نے غزل جا کر سنائی جس کی نصیر نے تعریف کی اور جسے مشاعرے میں پڑھنے کے لئے کہا۔ مشاعرے میں مطلع ان کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ نصیر نے آواز دی، بھئی، میاں ابراہیم، مطلع بھئی، میاں ابراہیم، مطلع تو خوب کہا" ذوق کا بیان ہے کہ اس وقت مجھے کھٹکا ہوا کہ "مطلع کے سرے پر سبب خفیف کی کمی ہے اور ساتھ ہی لفظ بھی سوجھا" پہلے انھوں نے مصرع اول "جس" کے بغیر پڑھا تھا دوبارہ پڑھا تو اس لفظ کا اضافہ کر دیا۔" اس پر اس قدر حیرت ہوئی کہ انھوں نے جانا شاید پہلے عمداً۔۔ چھوڑ دیا تھا، مگر اعتراض ہوا کہ "یہ بھرنا جائز ہے" ذوق نے جواب دیا کہ "وہ الہام آسمان سے نہیں نازل ہوئیں۔۔" یہ تحریر مقبول نہ ہوئی مگر پھر منیر مرحوم (پسر نصیر) نے اس پر غزل کہی، ص ۴۷۶۔

اس حکایت سے نصیر کی عداوت تو ظاہر ہے لیکن اس میں بڑی قباحت یہ ہے کہ "جس" کا چھوٹ جانا محض عروضی سقم نہ تھا، نظم کی جگہ نثر بھی ہوتی تو اس لفظ کا وجود ضروری تھا۔ آزاد کی نظر اس پر کس طرح پڑی، اس کا پتا نہیں، لیکن دیوان ذوق میں انھوں نے اس واقعے کو دوسری طرح بیان کیا ہے، چاہئے تھا کہ آب کی عبارت بھی بدل دی جاتی اور دیوان و آب دونوں میں صراحۃً بتایا جاتا کہ کہ حکایت کی نئی شکل کہاں ملی اور پرانی پر اسے ترجیح دینے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن، آزاد اس سے قاصر رہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ترک اصلاح کے بعد آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا کہ ذوق نے ۲ غزلیں جا کر سنائیں، نصیر

نے دوسری کی خاص طور پر تعریف کی اور کہا کہ مشاعرے میں اسے پڑھنا۔ مشاعرہ ہوا تو طرحی غزل سنانے کے بعد ذوق نے نصیر سے کہا: "اجازت ہو تو فرمایش کی تعمیل کردوں" اور ان کے ہاں کہنے پر دوسری غزل کا پہلا مطلع پڑھا۔ اس کے مصرعے دوم کی ابتدا میں لفظ "پھر" چھوٹ گیا تھا، نصیر نے معمول سے زیادہ تعریف کی اور مطلع پھر سنانے کو کہا تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دوبارہ پڑھا تو لفظ "پھر" اپنی جگہ پر موجود تھا۔ نصیر "خوش ہو گئے" اور لوگوں کو خیال ہوا کہ پھر کا حذف شوخیِ طبع کی بنا پر تھا، مگر حقیقت یہ تھی کہ "آپ ہی چوٹ کھائی آپ ہی اس کا توڑ کیا۔" ص۱۲-۱ ۔ دونوں شکلوں کے اختلافات حسب ذیل ہیں: (الف) پہلی کے راوی ذوق ہیں، گو آزاد نے یہ نہیں بتایا کہ انھیں بلاواسطہ معلوم ہوئی تھی یا بالواسطہ۔ دوسری کے راوی کا مطلقاً ذکر نہیں (ب) پہلی میں صرف ایک غزل کا ذکر، دوسری میں دو (ج) پہلی میں نصیر سے اجازت اور ان کی فرمایش کی طرف اشارہ نہیں، دوسری میں ہے۔
(د) پہلی میں صراحۃً مرقوم ہے کہ مصرعِ اول میں لفظ "جس" چھوٹ گیا تھا، دوسری میں مصرعِ دوم سے لفظ پھر کے حذف ہو جانے کا ذکر ہے اور مصرعِ اول سے مطلقاً بحث نہیں (ہ) پہلی میں یہ بات نہیں کہ نصیر نے دوسری بار مطلع پڑھوایا تھا، دوسری میں ہے (و) دونوں سے یہ ظاہر ہے کہ نصیر کا مقصد ذوق کو ذلیل کرنا تھا لیکن پہلی میں کوئی بات ایسی نہیں جو اس بنیادی نکتے کے منافی ہو، دوسری میں نصیر کا خوش ہونا اس کے خلاف پڑتا ہے (ز) بحر پر اعتراض اور منیر کا ذوق کی زمین میں غزل کہنا صرف پہلی شکل میں ہے دوسری میں نہیں۔ حکایت کی دونوں شکلیں مصنوعی ہیں۔

(۱۴۵) ذوق کے حال میں جو لن لفنسٹن کا ذکر آیا ہے، یہ بقول آزاد معاہدہ کرنے کی غرض سے عازم سندھ و کابل ہوئے تھے (آب) ص۱۴۴ ۔ بکلینڈ کی کتاب[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح نام ہونٹ اسٹورٹ الفنسٹن تھا، جون الفنسٹن اس کا باپ تھا ص۱۳۷۔

(۱۴۶) مثنوی بادِ مخالف "حریفوں کے جلسے میں پڑھی گئی تو بجائے اس کے کہ .. یہاں سے اپنی زیادتیوں کا عذر کرتے، ایک نے عمداً کہا کہ اس مثنوی کا نام کیا ہے، معلوم ہوا کہ بادِ مخالف، دوسرے نے گلستاں کا فقرہ پڑھا: یکے از صلحارا باد مخالف در شکم پیچید" اور سب ہنس دئے آب ص۵۲۶۔ اس حکایت کی سند موجود نہیں، ایسا ناخوشگوار واقعہ ہوا ہوتا تو غالب مثنوی کا نام بدل دیتے۔ میری رائے میں فرضی حکایت ہے۔

(۱۴۷) "مولوی فضل حق" کی عادت تھی کہ کوئی بے تکلف، دوست آتا تو خالق باری کا یہ مصرع پڑھتے: بیا برادر آؤ رے بھائی۔ ایک دن غالب ملنے گئے تو یہی مصرع پڑھ کر بٹھایا۔ اتنے میں "مولوی صاحب کی رنڈی" آکر بیٹھ گئی غالب نے کہا کہ اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجئے: "بنشیں مادر بیٹھ ری مائی"

---

[1] ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی

اس کی بھی کوئی سند نہیں اور ظاہراً اختراعات آزاد سے ہے۔

(۱۴۸) غالب کی "غزلوں کا دیوان مع دیوان قصائد کے ۱۲۴۳ھ میں مرتب ہو کر نقلوں کے ذریعے سے اہل ذوق میں پھیلا اور اب تک کئی دفعہ چھپ چکا ہے" آب حیات ۵۲۰ یہ عبارت غلط فہمی پیدا کرنے والی ہے غالب کے کلیات میں صرف قصائد اور غزلیات نہیں، مثنویات، قطعات، رباعیات وغیرہ بھی ہیں کلیات میں قصائد اور غزلیات الگ الگ ہیں تو یہی حال دوسرے اصناف سخن کا بھی ہے۔ زمانۂ ترتیب صحیح ہے یا نہیں، اس سے اس موقع پر بحث نہیں۔

(۱۴۹) غالب کا دیوان اردو ۱۲۴۹ھ میں مرتب ہو کر چھپا" آب حیات ۵۲۱ اردو دیوان پہلی بار سید محمد خاں کے مطبع میں شعبان ۱۲۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۸۴۱ء میں چھپا تھا۔ ظاہر ہے کہ زمانۂ ترتیب اس سے قبل ہوگا (انتخاب غالب ص ۳۳۹)

(۱۵۰) جھجر میں ایک "فرومایہ" سا شخص اسد تخلص کرتا تھا، اس کا مقطع سن کر اس تخلص سے جی بیزار ہوگیا:

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب ارے او شیر ہو رحمت خدا کی" آب حیات ص ۵۲۲

جھجر کے اسد کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا، وہاں غالب تخلص کا ایک گمنام شاعر البتہ گزرا ہے (گلستان سخن) شعر کی صحیح شکل جو تذکرۂ ہندی و مجموعۂ نغز کے علاوہ اردوئے معلی ص ۱۵۸ و ص ۲۷۴ میں موجود ہے، یہ ہے:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

اس کے مصنف جیسا کہ تذکروں میں ہے اور خود غالب نے بھی لکھا ہے (اردوئے معلی ص ۲۷۴) میر امانی اسد تھے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور سودا کے شاگرد تھے اور ان کی وفات ولادت غالب (۱۲۱۲ھ) سے بہت پہلے ہوئی تھی (تذکرۂ ہندی) یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ اس شعر کا سننا تبدیل تخلص کا باعث ہوا تھا۔

(۱۵۱) آب کی اشاعت اول میں مومن کا ترجمہ نہ تھا، اس پر اعتراض ہوا تو آزاد نے اشاعت دوم میں ان کا حال کسی سے لکھوا کر شامل کتاب کیا، مگر انھیں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ لکھنے والا کون ہے۔ اس صورت میں وہ باتیں جو بے سند درج ہیں، قبول نہ کی جائیں تو منکر پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ ظاہراً آزاد کی نظر میں ہر راوی یکساں طور پر معتبر تھا اور وہ دوسروں سے بھی متوقع تھے کہ اس مسلک کو تسلیم کرلیں۔ انھوں نے جن اصحاب کو صراحۃً معتبر لکھا ہے ان میں وہ بزرگ بھی تھے جن سے انھیں یہ معلوم ہوا تھا کہ گنا بیگم امید کی بیٹی تھی۔

(۱۵۲) آبِ حیات[۵۱] میں میر انیس کا حال ص۵۴۱ سے ص۵۴۹ تک پھیلا ہوا ہے، لیکن، آزاد نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کب فوت ہوئے تھے، حالانکہ ان کی رحلت آب کی اشاعت اول کے انطباع کے چند ہی سال قبل ہوئی تھی اور ۱۸۷۴ء (سال وفات انیس) کے اردو اخباروں کے علاوہ دوسری زبانوں کے اخباروں میں بھی اس کی اطلاع چھپی ہوگی۔ (اودھ اخبار میں اس کے متعلق جو کچھ شائع ہوا تھا، اس کے تفاصیل معاصر حصہ ۱ میں ملاحظہ ہوں)۔

(۱۵۳) محمود غزنوی جب ہندوستان آیا اور آم کھایا تو بہت بھایا، مگر نام سن کر کہا سخت ستم ہے کہ ایسا لطیف میوہ اور نام میں یہ فحش، اسے نغزک کہنا چاہئے کہ اسم با مسمّٰی ہو" سخن ص۲۰ اگر محمود نے لفظ آم سنا تھا تو یہ فحش نہیں کوئی دوسرا نام اسے بتایا گیا تھا اور وہ فحش تھا تو آزاد کو اس امر کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ اس سے قطع نظر، یہ ثابت نہیں کہ نغزک نام محمود کا رکھا ہوا ہے۔

(۱۵۴) "عروض فارسی کی کتابیں ۲۰۰ھ کے پس و پیش لکھی گئیں" سخن ص۲۶ ۔ قزوینی مقدمۂ المعجم فی معاییر اشعار العجم میں لکھتے ہیں: "چوں .. بزرجمہر از شعرائے سلطان محمود غزنوی و پسرش.. مسعود کہ مصنف .. اورا از عروضیان عجم مے شمرد.. وچوں البہرامی السرخسی از شعرائے غزنویہ صاحب تالیفات عدیدہ در علم عروض و قافیہ چوں کتاب غایۃ العروضیین (یا غایۃ العروضیین) کہ شمس قیس (مصنف المعجم) .. ظاہراً آں را در دست داشتہ .. و کتاب خجستہ نامہ در علم عروض کہ عوفی در لباب الالباب بدو نسبت می دہد.. وچوں امام حسن قطان از فحول ائمۂ خراساں و معاصر رشید و طواط کہ واضع دو شجرۂ اخرم و اخرب است برائے تسہیل استخراج اوزان بیت و چہار گانۂ رباعی و اورا مختصرے بودہ در علم عروض کہ مصنف درایں کتاب دو شجرۂ مذکورہ از آں نقل می کند وغیرایں جماعت از فضلا و ائمہ کہ اسمائے ایشاں و مؤلفات ایشاں بمانہ رسیدہ است، ولیکن از سوء اتفاق ایں کتب .. بواسطۂ تواتر انقلابات .. بکلی از میاں رفتہ است"

(۱۵۵) "یہ قاعدہ ہے کہ ژند کی ذ جب سر لفظ پر ہو تو فارسی میں دال پڑھی جاتی ہے" سخن ص۳۲ ۔ "ژند" (زند) سے اوستائی زبان مراد ہے اور اس زبان یا کسی اور ایرانی زبان میں خواہ پرانی ہو یا نئی کوئی کلمہ حرف ذال سے شروع نہیں ہوتا۔ اوستائی ذال و تو آخر کلمہ میں بھی نہیں آتی (گاتھا از آقائے پور داؤد ص۱۵)

(۱۵۶) اجنبا "فارسی قدیم" میں = بے حرکت، الف نفی کا ہے سخن ص۱۰ ۔ اجنبا کی جگہ اجنباں چاہیے اور

---

[۵۱] مندرجات آب حیات کی تنقید ابھی ختم نہیں ہوئی، قسط سوم و چہارم میں بھی اس سے بحث ہوگی۔

یہ فارسی نہیں، دساتیری ہے۔

(۱۵۷) فارسی قدیم میں اخواتی = بے ارادہ سخن ص۱۰۱ یہ بھی دساتیری ہے۔

(۱۵۸) آتیر (کذا) جو کبھی نہ مرے" سخن ص۱۰۱ غالب نے درفش کاویانی میں امیرہ = نامیرندہ لکھا تھا، لیکن جب مطالبہ کیا گیا تو اس کی سند نہ دے سکے۔ فرہنگیں اس سے ناآشنا ہیں اور درفش و سخن کے سوا کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا۔ واضح رہے کہ درفش میں کسرہ و تشدید نہیں۔

(۱۵۹) فرشاد فارسی قدیم میں تحفہ، نذراد، تبرک، سنسکرت میں پرساد" سخن ص۸۷ فارسی میں یہ لفظ میری نظر سے نہیں گزرا، درفش کاویانی میں ہے، مگر اس کا اعتبار نہیں۔

(۱۶۰) انگارہ فارسی میں آگ کا دہکتا ہوا ڈلا سخن ص۴۲ یہ معنی فارسی میں نہیں،

(۱۶۱) ہوا فارسی ہے سنسکرت میں وایو سخن ص۹۲ یہ مسلمات سے ہے کہ ہوا (باد) عربی ہے۔

(۱۶۲) سیب زمینی آلو کو کہتے ہیں، یہ بعینہٖ ترجمہ ہے پوٹے ٹو کا۔ پس معلوم ہوا فرانس کے رستے سے پہنچا ہے" سخن ص۱۹ پوٹے ٹو ایک قدیم امریکی لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے جو انگریزی میں مروّج ہے۔ سیب زمینی اس کا نہیں، فرانسیسی POMME DE TERRE کا لفظی ترجمہ ہے۔

(۱۶۳) پشوتن کیانیوں کے خاندان میں ایک شاہزادہ ہوا ہے کہ اس نے عمر جاوید پائی ہے بعض لوگ اسے کاؤس کا بیٹا کہتے ہیں" نگار ص۱۱۱ یہ گشتاسپ کا بیٹا اور اسفندیار کا بھائی تھا۔ کسی نے اسے پسر کاؤس نہیں لکھا۔

(۱۶۴) دساتیر کی زبان کے متعلق: "یہ خرد استا سے بھی پہلے کی زبان معلوم ہوتی ہے، ملک کے کسی علاقے کی پراکرت ہے، اس طرح زور پکڑ گئی ہوگی جس طرح یہاں ایک زمانے میں پالی ہو گزری" سخن ص۳ (الف) دساتیر مطبوعہ آزاد کے پاس تھی اور ان کا نسخہ آج کل کتب خانہ دانش نگاہ پنجاب میں ہے۔ سخندان فارس کے مصنف کو غائر نظر سے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا تھا، مگر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے سرسری طور پر کہیں کہیں سے دیکھا تھا۔ اس کے انطباع کے بعد مستشرقین یورپ نے اس کی زبان اور مطالب کی نسبت جو کچھ لکھا تھا، ظاہرا وہ اس سے بھی ناواقف تھے، حالانکہ سخن میں جا بجا اہلِ یورپ کی تحقیقات (متعلق ایران قدیم) سے استفادے کا ذکر ہے (ب) دساتیر خود اور اس کے ماننے والے مدعی ہیں کہ اس میں جو صحف اور پند نامہ ہے وہ فرابس نواد یعنی آسمانی زبان میں ہے، اور ترجمہ و تفسیر اواخر عہد ساسانی کی فارسی دری میں ہے۔ صحف پیمبروں پر نازل ہوئے تھے، جن میں پہلا آباد اور آخری ساسان پنجم ہے۔ یہی ساسان

پنجم دساتیر کا مترجم و مفسر بھی ہے۔ دساتیر کے مطابق آبادیوں کی حکومت ....۳ سال رہی۔ (سفرنگ دساتیر ص۲۴)۔ دساتیر کے ماننے والوں کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ اس کا پہلا صحیفہ اس سے بھی پیشتر کا ہے (ج) آزاد نے خردہ اوستا کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عہد خسرو سے بھی پہلے کی کتاب ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ متن دساتیر ان کے نزدیک کس عہد کی زبان میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں اس کی خبر ہی نہیں کہ دساتیر اپنی زبان کی نسبت کیا کہتی ہے اور دساتیر کے بموجب آباد کا زمانہ کب تھا۔ (د) زبان دساتیر کو پراکرت سے تشبیہ دینا بھی خوب ہے۔

(۱۶۵) اس دعوے کے ثبوت میں کہ تسلط اسلام سے قبل بھی ایران میں شعر کہا جاتا تھا بحوالۂ آرزو لکھا ہے: "سلاطین قدیمہ میں سے فرہوش.. کے دربار میں گروہ کثیر اہل سخن کا حاضر رہتا تھا، ان میں سے شید وش.. نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا۔

زن شاہ است درداؤ رگردا گوز دارد ندارد بیم از کس

اسی کتاب میں.. ہے کہ زبان قدیم میں دردا ؤر شجاعت اور گردا بمعنی سمندر تھا" سخن د ص۲۶۱، (الف) اس سے قطع نظر کہ اثبات دعوٰی میں بارھویں صدی ہجری کے ایک مصنف سے استناد فضول ہے، آرزو کثیر التصانیف شخص تھے، ان کی کتاب کا نام بتانا تھا، مگر میرا خیال ہے کہ یہ حکایت انھوں نے براہ راست آرزو کی کسی کتاب سے نہیں لی (ب) حکایت مجمع النفائس و ۲ یں بحوالۂ دبستان مذاہب مرقوم ہے لیکن متن شعر مجمع و دبستان میں سخن سے مختلف ہے۔" درداؤ بموجب مجمع ایک لفظ نہیں (ج) مجمع و دبستان دونوں میں فرہوش کو آبادی خاندان کا بادشاہ لکھا ہے۔ اگر یہ آبادی دور کے بالکل آخر میں تھا جب بھی اسے ایک ارب سے زیادہ سال گزرے ہیں۔ دسفرنگ دساتیر ص۲۵ اس زمانے میں انسان کہاں تھا جو شاعری ہوتی اور اگر تھا تو کیا اس عہد کی وہی زبان ہو سکتی تھی جو "زن شاہ الخ" کی ہے؟

(۱۶۶) سال وفات رودکی ۳۰۴ھ سخن ص۲۶۶، لیکن ، نگارستان میں تیرھویں صدی ہجری کی مفتاح التواریخ کے حوالے سے ۳۴۳ھ لکھا ہے۔ مفتاح ایسی کتاب نہ تھی کہ اس کی بنا پر تبدیل رائے کی جاتی۔ بظاہر آزاد نے ۳۰۴ھ محض اٹکل پچو لکھ دیا تھا؛ مفتاح میں مختلف سنہ جو دیکھا تو اسی کو صحیح سمجھے حقیقت یہ ہے کہ دونوں غلط ہیں درست ۳۲۹ھ ہے جو سمعانی کی کتاب (متعلق انساب) میں ہے اور جسے پہلے پہل قزوینی منظر عام پر لاتے ہیں۔

(۱۶۷) اے آنکہ طعنہ کردی در شعر رودکی ایں طعنہ کردن تو زجہل است و کودکی
کانکس کہ شعر داند داند کہ در جہاں صاحبقران ملک سخن ہست رودکی

نگار ص۸ میں بنام (دقیقی) لیکن نظامی عروضی کا قطعہ ہے (لباب الالباب ۲ ص۲۷)۔ لباب میں "زجہل است و کودکی" کی جگہ "زجہل و زکودکیست" اور "ملک سخن الخ" کے عوض "شاعری استاد رود کیست"۔

(۱۶۸) اسدی طوسی، استاد فردوسی و مصنف گرشاسپ نامہ، وقصائد مناظرہ نے فردوسی کے ۴۰ برس بعد ۴۶۵ھ میں وفات پائی سخن ص۲۸۲، نگار میں اس کا مستقلاً ذکر نہیں، لیکن ترجمۂ فردوسی میں اسے رودکی کا "ہمعصر" بتایا ہے ص۱۰ اور فردوسی کا سال وفات ۴۱۱ھ یا ۴۱۵ھ لکھا ہے ص۱۹۔
(الف) اسدی رودکی کا "ہمعصر" ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ۴۶۵ھ میں (رودکی کے ۱۴۰ سال بعد مطابق سخن) وفات پائے؟ (ب) فردوسی کا سال وفات وہی ہے جو آزاد نے لکھا ہے اور اسدی اس کے ۴۰ برس بعد مرا ہے تو اس کا سال رحلت ۴۶۵ھ کس طرح ہو سکتا ہے؟
(ج) اسدی تخلص کا ایک شاعر گذرا ہو یا دو، یہ ممکن نہیں کہ گرشاسپ نامہ کا مصنف فردوسی کا استاد رہا ہو۔

(۱۶۹) بہت سی کہانیاں لوگوں نے بنا رکھی ہیں، بلکہ کتابوں میں بھی ہیں جو "لائق اعتبار نہیں، لیکن چونکہ مؤلف کو لازم ہے جو حال یا لوگوں کا خیال معلوم ہو سب پر ظاہر کرے اور اس کے جھوٹ اور سچ پر رائے دے اس واسطے بطور لطیفہ لکھا جاتا ہے" اس کے بعد آزاد نے لکھا ہے کہ رستم نے بطور شکریہ فردوسی کو دفینے کا حال بتایا۔ اور اس سلسلے میں بعض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دربار محمود سے محرومی پر فردوسی نے رستم کی بھی ہجو کہی تھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

منش کردہ ام رستم داستاں   دگرنہ یلے بود از سیستاں

اس پر رستم نے دفینے کا حال خواب میں بتایا نگار ص۱۹۔ فرضی حکایات کے بیان کرنے میں مضایقہ نہیں، لیکن، ماخذ کا ذکر لازم ہے، آزاد اسے غیر ضروری سمجھتے تھے۔ ہجو رستم کا ذکر میں نے کہیں اور نہیں دیکھا اور نہ آزاد کا دیا ہوا شعر فردوسی کے نام سے کسی اور جگہ میری نظر سے گزرا ہے۔

(۱۷۰) محمود نے فصد کھلوائی، عنصری نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہہ کر سنایا: آمد آں رگزن مسیح پرست الخ سخن ص۲۸۹ یہ قطعہ عنصری کا نہیں، تفاصیل کے لئے ادارہ گرد اشعار کی وہ قسط دیکھے جو خاور ڈھاکہ میں چھپی تھی۔

(۱۷۱) فرخی نے ترجمان البلاغت "صنائع شعری" میں لکھی سخن ص۸۔ اس میں بہت سے ایسے صنائع بھی ہیں جس کا استعمال نثر میں ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۹ء میں پہلی بار استانبول میں طبع ہوئی۔ یہ نسخہ ۵۰۷ھ کے خطی نسخے پر مبنی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف

فرخی نہیں، محمد بن عمر الرادویانی ہے۔

(۱۴۲) نظامی گنجوی نے ویس ورامین کا قصہ محمود ابن محمد ابن ملک شاہ کے نام سے لکھا تھا، لوگ اسے تصنیف نظامی عروضی کہتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ اکثر مصنفوں کی رائے یہ ہے کہ ابتدا کی مشق ہے" نگار صـ۶۶ ویس ورامین کو دولت شاہ نے ترجمۂ عروضی میں اس کی طرف منسوب کیا ہے (تذکرہ صـ۶۰) لیکن اتمہ جزو نظامی گنجوی میں اس بنا پر اس کی تردید کی ہے کہ عروضی عہد ملک شاہ میں تھا اور یہ اس کے پوتے محمود ابن محمد کے زمانے کی ہے صـ۱۳۰۔ اس جگہ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ نظامی گنجوی کے عہد شباب کی تصنیف ہے۔ یہ سب غلط محض ہے: حقیقت "مزدیسنا و تاثیر آں در ادبیات فارسی" مصنفۂ آقائے محمد معین کے اقتباس ذیل سے معلوم ہوگی: "فخرالدین اسعد گرگانی از گویندگان نامبردار سدۂ پنجم ہجری (حاشیہ: "معاصر طغرل بک بن محمد بن میکائیل سلجوقی ۴۳۲ ـ ۴۵۵) و ناظم .. ویس و رامین است۔ این منظومہ چنانکہ در مقدمہ آں اشارہ کند، بزبان پہلوی تالیف شدہ بود و فخرالدین آں را .. بنظم دری ترجمہ کردہ.. از قرائنے کہ در ہمیں مقدمہ درج است، استنباط می شود کہ ایں داستاں را در فاصلہ ما بین سالہائے ۴۴۲ و ۴۴۷ .. منظوم کردہ" صـ۴۳۸۔ ویس ورامین فخر گرگانی کے نام سے سخن کی اشاعت سے بہت پہلے کلکتہ میں چھپی تھی اور آقائے چند سال پیشتر ایران میں طبع ہوئی ہے۔ دولت شاہ نے اس کے متعلق فاحش غلطی کی ہے، لیکن تیرھویں صدی کے ہندوستانی تذکرہ نگار تک اصل حال سے واقف ہیں (رجوع بہ خلاصۃ الافکار م و (مخزن الغرائب م) نظامی عروضی یا نظامی گنجوی کو اس مثنوی سے کچھ سروکار نہیں۔

(۱۴۳) ظہیر فاریابی کا دیوان "ہمیشہ کمیاب اور عزیز الوجود ہے، کسی شخص کا شعر ہے:

دیوان ظہیر فاریابی   در کعبہ بدزد اگر بیابی" نگار صـ۵۱

درویش دہکی نے جامی کی ہجو میں ایک مثنوی کہی تھی جس میں ان پر سرقے کا الزام لگایا تھا، اس کا ایک شعر یہ ہے:

اے باد صبا بگو بجامی   کاے دزد سخنوران نامی

آزاد کا نقل کردہ شعر بھی اسی مثنوی میں شامل ہے (مجمع النفائس مصنفۂ آرزو م و ۱۴۰)۔ درویش کی غرض ہرگز یہ نہیں کہ ظہیر کا دیوان کمیاب ہے۔ اور یہ حقیقت ہے بھی نہیں، ایک بار ایران میں اور دو بار مختلف طور پر ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔ اس کے خطی نسخے بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

(۱۴۴) بخم نشست فلاطون ز شرم آب نشد   بحیرتم کہ فلاطوں شدو شراب نشد

یہ اور اسی زمین کا ایک اور شعر نگار صـ۵۲ میں بنام ظہیر فاریابی، لیکن دیوان ظہیر کی کل مطبوعہ اشاعتیں ان اشعار سے خالی ہیں، اور بحم الخ دیوان نعمت خان، عالی کے مطبوعہ (نولکشوری صـ۲۲۲) اور خطی نسخوں (م میں)

میں موجود ہے۔

(۷۵) آب ص۱۵ میں یہ مصرعہ امیر خسرو کے نام سے ہے: "بنشست چوں در پالکی نہ چرخ بکنار آمدہ" لیکن سخن ص۲۷۱ میں پورا شعر طغرا کی طرف منسوب کیا ہے۔ صحیح یہی ہے اور یہ شعر کلیات طغرا م و۔۳۴۰ میں موجود ہے۔ اس طویل قصہ میں جس کا یہ جزو ہے (۲۷۷ ابیات) ہندی عنصر بہت نمایاں ہے، ورق ۳۳۸ میں ایک شعر جو ہولی سے متعلق ہے درج ذیل ہے:

شد وقت ہولی باختن با رنگ و بو پرداختن محمود را چو گلبن ساختن باغ ارم خوار آمدہ

اعتراض آزاد کے طریق کار پر ہے کہ پہلے ایک غلط بات کہی، بعد کو متضاد بیان دیا، لیکن، اس کی ضرورت محسوس نہ کی کہ سند پیش کریں۔

(۷۶) سال وفات عرفی ۹۹۹ھ نگار ص۹۹ اور یہ صحیح ہے، لیکن ص۱۰۰ میں ہے کہ دشمنوں نے اشعث طامع سے تاریخ نکالی۔ اس سے ۹۹۱ بر آمد ہوتے ہے، یا تو عرفی سے اس کا کچھ تعلق ہی نہیں، یا اس کے ساتھ کوئی اور لفظ تھا جو آزاد نے نہیں لکھا۔

(۷۷) فیضی نے سالہا سال کاشی میں برہمن بن کر علم شاستری حاصل کیا، استاد کو اس کا علم ہوا تو یہ وصیت کی کہ "گائتری منتر اور ۴ بید" کا ترجمہ نہ کرنا، فیضی نے اس پر عمل کیا نگار ص۱۰۱ یہ محتاج ثبوت ہے۔

(۷۸) سرمد شہر ٹھٹھہ میں ایک ہندو بچے پر عاشق ہوا۔ نگار ص۱۹۶، پٹنہ مصحت ٹھٹھہ (دبستان مذاہب نولکشوری ص۲۴۲)

(۷۹) نگار ترجمۂ کلیم: "شیدا وغیرہ" کہتے تھے وہ لوگ بڑے خوش نصیب تھے جنھوں نے کلیم کی ملک الشعرائی نہ دیکھی" ص۱۸۵ ایضاً ترجمۂ شیدا "جب "کلیم کے بعد محمد قلی سلیم ملک الشعرا ہوا تو شیدا کہا کرتا تھا خوشا نصیب ان شعرائے مرحوم کے جنھوں نے سلیم کی ملک الشعرائی کا بار نہ اٹھایا" ص۱۵۰ (الف) کلیم کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے وہ بے سند نہیں، لیکن یہ قول شیدا کا تھا، "وغیرہ" آزاد کا اضافہ ہے (ب) کلیم کی وفات ۱۰۶۱ھ میں ہوئی، مادۂ تاریخ نگار ص۱۸۷ میں بھی درج ہے، گو سنہ اس کے ساتھ مرقوم نہیں۔ سلیم ۱۰۵۷ھ میں راہی عدم ہوا ہے (معاصرہ ص۱۵۵) اور شیدا اس سے بھی پہلے اس دنیا سے رخصت ہوا ہے۔ سلیم کا کلیم کے بعد ملک الشعرا ہونا اور شیدا کا اس پر کڑھنا بالکل خارج از بحث ہے۔ سلیم کسی اور زمانے میں بھی اس عہدے پر فائز نہیں ہوا اور خود آزاد نے بھی نگار میں جو اس کا مستقل ترجمہ دیا ہے اس میں اس کا ذکر نہیں۔

(۸۰) کلیم عہد جہانگیر میں وارد ہند ہوا، بعد اس کے ایران گیا اور پھر شاہجہاں کی سلطنت میں آیا۔ "توفیق رفیق طالب آمد" تاریخ اس کی کہی" مادۂ تاریخ کے بعد ۱۰۲۷ھ مرقوم نگار ص۱۸۶۔ (الف) "توفیق آمد" سے ۱۰۷۲، ۱۰۷۳ نہیں، نکلتا ہے، مگر مادہ تاریخ صرف "توفیق رفیق طالب" ہے،

جیسا کہ قطعۂ ذیل سے جو دیوان کلیم (م ۴۳۱۳) میں ہے، ظاہر ہے:

طالب ز ہوا پرستی ہند — برگشت و سوے مطالب آمد

تاریخ توجہ عراقش — "توفیق رفیق طالب" آمد ۱۰۰۶

(ب) ۱۰۷۲ھ جو نگار میں ہے، عہد شاہجہانی نہیں، عہد عالمگیری ہے اور اس وقت کلیم زندہ بھی نہ تھا۔ (ج) "توفیق رفیق طالب" سے ۱۰۲۸ مستخرج ہوتا ہے اور ۱۰۲۸ھ عہد جہانگیری ہے (د) قطعے سے بالکل واضح ہے کہ مادۂ تاریخ ہند سے "عراق" جانے کا ہے، ایران سے ہند واپس آنے کا نہیں۔

(۱۸۱) چو مہر تو دارم چہ حاجت بمہرم — مرا مہر داری بہ از مہرداری

کلیم مہردار شاہی تھا۔ گوشہ نشینی اختیار کی اور یہ شعر لکھ بھیجا نگار ص ۱۸۷۔ کلیم نہیں، طالب آملی مہردار شاہی تھا اور یہ شعر اسی کا ہے۔ پوری نظم اس کے دیوان (م ۲۹۴) میں موجود ہے۔ یہ ۶۶ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کی بیت اول غیر مقفیٰ ہے۔ چو مہر الخ ۱۳۶ د میں ہے۔

(۱۸۲) "کلیم" قدسی کے بعد ملک الشعرا ہوا اور شاہجہاں نامہ میں ہے کہ کلیم ملک الشعرائی کے خطاب سے سرفراز تھا جو .. قدسی آیا۔ اگرچہ حق ملک الشعرائی کا خطاب اس کے لئے تھا، مگر چونکہ نام نکل گیا تھا اس لیے وہی مشہور رہا" نگار ص ۱۸۵۔ ترجمۂ قدسی میں صراحۃً خطاب ملنے کا ذکر نہیں، لیکن آخر میں مرقوم ہے: "شاہجہاں کے ایام سلطنت میں قدسی فوت ہوا، اور بعد اس کے کلیم ملک الشعرا ہوا" ص ۱۹۳ حقیقت یہ ہے کہ کلیم ملک الشعرا ہو چکا تھا کہ قدسی وارد ہند ہوا اور کلیم سے قبل فوت ہوا۔ اس کی ملک الشعرائی خارج از بحث ہے۔ عبارت ذیل عمل صالح کی ہے، شاہجہاں نامے کی نہیں: "کلیم بخطاب ملک الشعرائی امتیاز یافت، اگرچہ استحقاق ایں منصب .. قدسی داشت، اما از پیدو کہ پیش از رسیدن حاجی (قدسی) او بایں خطاب سرفرازی یافتہ بود، تا دم آخر برو بحال ماند و تغیرے بداں راہ نیافت" (معاصر ۵ ص ۱۵۳) یہ مصنف ع۔ ص کی رائے ہے کہ قدسی کلیم کے مقابلے میں ملک الشعرائی کا زیادہ مستحق تھا، اس کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قدسی کو بھی یہ خطاب ملا تھا۔

(۱۸۳) صائب ۱۰۶۱ھ میں فوت ہوا اور سرخوش نے خبر سنتے ہی تاریخ کہی "صائب وفات یافت" (۱۰۶۱ ہجری) نگار ص ۱۷۱۔ کلمات الشعرا ص ۶۵ میں ۱۰۸۱ھ اور مادۂ تاریخ سے ۱۰۸۱ ہی نکلتا ہے۔ ۱۰۸۱ھ بھی غالباً صحیح نہیں۔

(۱۸۴) عالمگیر موسوی خاں متخلص بہ فطرت و موسوی کی "بہن کو باصرار عقد نکاح میں لایا" نگار ص ۱۶۳۔ یہ غلط محض ہے، یہ البتہ مسلم ہے کہ وہ عالمگیر کا ہم زلف تھا، شاہنواز خاں کی بیٹی جو اعظم شاہ کی خالہ تھی اس کے نکاح میں تھی (ترجمۂ انگریزی مآثر الامرا جلد ۲ ص ۳۴۴)

(۱۸۵) موسوی خاں مذکور کے دو تخلصوں کا ذکر کیا ہے لیکن تیسرے تخلص معز کو جو تذکروں (از آں جملہ نکات الشعرا ص ۴۲) اور دیوان (م ۵۵ ۳۰ و ۷ ۵) سے ثابت ہے، نظر انداز کر دیا ہے:

"شودا نمی کند کسے وصل او معز   دادیم نقد جاں بہ تمنا ثمن ثمن"

(۱۸۶) ناصر علی ذوالفقار خاں، "سپہ سالار عالمگیر" کی مدح میں "قصیدہ" کہہ کر لے گیا، مطلع ہی پڑھا تھا کہ ذوالفقار خاں نے "ایک لاکھ روپیہ مع خلعت وجواہر" انعام دیا اور کہا کہ آگے نہ پڑھیے میرا خزانہ ان اشعار کی "قیمت کے لئے کافی نہیں"، اور ہاتھی پر سوار کرکے رخصت کیا" مطلع،

اے شان حیدری زجبیں تو آشکار   نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

کہتے ہیں کہ ناصر علی جب وہاں سے نکلا تو اول انعام کے لئے نواب کے ملازم اور پھر رستے میں لوگ گرد ہو گئے، اس نے بھی ہاتھی ہی پر سے.. تمام روپیہ لٹانا شروع کیا.. مکان پر پہنچ کر اترا تو فیلبان نے کہا کہ میرا انعام مرحمت ہو۔ ادھر ادھر دیکھ کر کہا جاؤ یہی ہاتھی تمھارا انعام ہے نگارستان ص ۲۶ (الف) تذکرۂ طاہر نصر آبادی طبع ایران ص ۳۳۶ و مجمع النفائس و ہمیشہ بہار (م) میں "جبیں" کی جگہ "نشان" مگر خوش گو، آزاد بلگرامی (خزانۂ عامرہ) وغیرہ نے "جبیں" ہی لکھا ہے (ب) وہ نظم جسے آزاد نے قصیدہ کہا ہے دیوان ناصر علی (نظامی و نولکشوری) اور خزانۂ عامرہ وغیرہ میں موجود ہے، یہ غلطی اوروں سے بھی ہوئی ہے (مثلاً صاحب ہمیشہ بہار)، لیکن چونکہ یہ ۷ ابیات پر مشتمل ہے، اس پر لفظ قصیدہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ خزانۂ عامرہ، گل رعنا، سفینۂ خوش گو میں اسے غزل کہا ہے۔ مقطع کا مصرع ا یہ ہے: ناصر علی تماز تو خواہد مراد و بس (ج) ناصر علی و ذوالفقار خاں کی حکایت ہمیشہ بہار (عکس ۲ ماۃ ۱۲) سے قبل کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری، اور اس کی وہ شکل جو آزاد نے پیش کی ہے کہیں اور نہیں ملتی (د) خطاب ذوالفقار خاں ۱۱۰۱ھ میں ملا تھا، اور میر بخشی گری ۴۹ سنہ عالمگیر میں حاصل ہوئی تھی (مآثر الامرا) ناصر کی وفات ۱۱۰۸ھ میں ہوئی ہے (کلمات الشعرا) ظاہر ہے کہ ذوالفقار خاں ناصر علی کے دوران حیات میں "سپہ سالار" نہ تھا (ہ) ہمیشہ بہار میں ہے کہ خلعت، ہاتھی اور "زر نقد خطیر" یدبیضا آزاد بلگرامی م: ایک ہاتھی اور مبلغ خطیر" خوش گو: ہاتھی، خلعت اور دس ہزار نقد مجمع النفائس: ہاتھی اور ۵ ہزار نقد، خزانۂ عامرہ آزاد بلگرامی: بحوالہ سفینۂ بیخبر بلگرامی ہاتھی اور ۳۰ ہزار۔ آزاد کہتے ہیں کہ میر کاظم منصب دار اور نگ آبادی مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے متصدیان ذوالفقار خاں سے دریافت کیا تھا، ۳۰ ہزار ملے تھے۔ مخزن الغرائب: ایک لاکھ اور ہاتھی۔ گل رعنا شفیق: ہاتھی، ۳۰ ہزار نقد، خلعت وغیرہ، مآثر الامرا: ایک ہاتھی مبلغ خطیر" نشتر عشق: ۳۰ ہزار اور ہاتھی، ایک قول کے مطابق ایک لاکھ، دوسرے اقوال کے بموجب

پانچ یا دو ہزار۔ مصنف کی رائے ہے کہ جب "بخشی الممالک" اور اشعار پڑھنے سے مانع آئے تو ایک لاکھ ہی صحیح ہوگا۔ میرے خیال میں آرزو کا قول درست معلوم ہوتا ہے! ذوالفقار خاں اس زمانے میں بخشی الممالک نہ تھے (د) مطلع سن کر اور اشعار پڑھنے سے روکنا، سفینۂ خوشگو، ید بیضا، مجمع النفائس اور مآثر الامرا میں نہیں؛ غالباً پہلا تذکرہ جس میں یہ مذکور ہے سفینۂ بیخبر ہے جس سے خزانۂ عامرہ میں نقل ہوا ہے ایسی ہی ایک حکایت ایک ایرانی شاعر کے بارے میں جس کا نام اس وقت یاد نہیں آ کا میری نظر سے گزرا ہے (س) ناصر علی نے کیا کیا، اس کا ذکر ہمیشہ بہار میں یوں ہے: تمام مبلغ تا بخانہ رسید بذل و ایثار نمود" خوش گو: "زر خطیر در راہ ایثار کرد، مشت مشت بر دو طرف فشاند" مجمع النفائس: "بخانہ آمدہ بردم تقسیم نمود، فیل بسیاہی مفلس" ید بیضا و مآثر الامرا اس باب میں خاموش ہیں، خزانۂ عامرہ میں ہے کہ جو کچھ ملا تقسیم کر دیا (س) اے شان حیدری الخ تذکرۂ طاہر نصرآبادی مطبوعہ میں وارستہ چگنی، معاصر سلیم سے منسوب ہے، اور اس کے ساتھ یہ عبارت ہے: "در مدح ذوالفقار خاں بیگ قرہ بیگی قندہار گفتہ" ص۳۶ مگر مخطوطہ ام میں یہ شعر موجود نہیں۔ (ح) اس شعر کے تذکرۂ نصرآبادی کے مطبوعہ نسخے میں ملنے سے ساری حکایت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس کے متعلق مزید تحقیقات کی ضرورت ہے، مثلاً یہ کہ تذکرہ کب ختم ہوا، شعر الحاقی تو نہیں، دیوان ناصر علی کے معتبر خطی نسخوں میں موجود ہے یا نہیں، شعر زیر بحث کو کسی اور نے وارستہ کی طرف منسوب کیا ہے یا نہیں۔

(۱۸۷) سرخوش کہتا ہے کہ میں، ناصر علی اور بیدل جامع مسجد دہلی کے حوض کے کنارے بیٹھے شعر خوانی کر رہے تھے کہ سرمد پہنچا اور ہنسکر یہ شعر سنایا:

دیر است کہ آوازۂ منصور کہن شد　　اکنوں سر تو جلوہ دہم دار و رسن را

دوسرے شعر کی فرمائش ہوئی تو اس نے یہ شعر پڑھا: "سر جدا کرد از تنم شوخیکہ با ما یار بود الخ" اس کے دوسرے ہی دن قتل ہوا نگار ص۱۹۸، سرمد بقول آزاد ۱۰۷۱ھ میں مقتول ہوا ہے، (نگار ص۱۹۷) اس وقت تک نہ ناصر علی دہلی پہنچے تھے نہ بیدل۔ مؤخر الذکر کا سال ولادت اور سال عزم دہلی از بہار بقول خود علی الترتیب ۱۰۵۴ھ اور ۱۰۷۵ھ ہے (کلیات م د ۸۹۸)۔ مزید یہ کہ حکایت زیر بحث سرخوش کے کلمات الشعراء سے غیر حاضر ہے۔ شعر میں غالباً "اکنوں" کی جگہ "من" ہے۔

(۱۸۸) دیوان بیدل میں ایک لاکھ اشعار، مگر ایک شعر کسی کی تعریف میں نہیں نگار ص۱۷۱۔ کلیات کا جو ضخیم نسخہ م میں ہے، اس میں ایک لاکھ سے بہت کم اشعار ہیں، اور مدحیہ کلام کثرت سے ہے (رجوع بہ ۱۸۹)

(۱۸۹) مرزا عبد القادر بیدل آغاز شباب میں اعظم شاہ کے نوکر تھے، کسی امیر نے یہ کہا کہ "ان سے زیادہ

آج کل کوئی شاعر نہیں" شاہزادے نے اظہار تعجب کیا کہ آج تک میری مدح نہیں۔ اس کا ایما ہوا کہ قصیدہ لکھیں" تاکہ زور طبیعت معلوم ہو اور بموجب اس کے اضافۂ منصب کیا جائے" یہ فوراً مستعفی ہو گئے" دوستوں نے بہت سمجھایا مگر قبول نہ کیا، نہ پھر کسی کی نوکری کی، ڈاڑھی مونچھ منڈا کر آزاد ہو گئے" نگار ص۱۷۷۔ خوش گو جو دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں بیدل سے بہت زیادہ واقفیت رکھتا تھا۔ اس کا قول ہے کہ بیدل اعظم شاہ کے ساتھ مست (کذا) سال رہے، "جذبہ" غالب ہوا تو بعذر مرض مستعفی ہوئے۔ اعظم شاہ نے بیدل کو جو "نشان" بھیجا تھا وہ خوشگو نے ان کے پاس دیکھا تھا۔ اعظم شاہ نے لکھا تھا کہ قوٰی درست ہیں تو استعفا مناسب نہیں۔ خوشگو کہتا ہے کہ بیدل کا جواب رقعات بیدل میں ہے (سفینۂ خوشگو، م ترجمۂ بیدل) رقعات بیدل، کلیات بیدل کے خطی نسخہ ام میں شامل ہے (اس کے سرسری مطالعہ میں مجھے ایک خط اس کے متعلق ملا، مگر اس کا مکتوب الیہ خود اعظم شاہ نہیں)۔ آزاد نے جو وجہ استعفا بیان کی ہے، اور کتابوں میں بھی ہے اور وہ اس کے موجد نہیں، لیکن کلیات بیدل اس کا مکذب ہے۔ اس میں اعظم شاہ کی مدح میں جو منظومات ہیں ان میں ایک قصیدہ بھی ہے جس کی بیت ذیل میں اس کا نام آیا ہے:

"ثم وارث صاحبقراں سلطان محمد اعظم آں — کز گل مدحش زباں دارد چمن در آستیں" و ۱۷۴

(۱۹۰) بیدل ایک دن "قمرالدین خاں وزیر بادشاہ" کے یہاں گئے، وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ "نواب محمد امین خاں" آ گئے۔ یہ "چار ابرو کی صفائی کیے" نولاسی لئے بیٹھے تھے۔ نواب نے نام پوچھا اور اس سے مسلمان ہونا معلوم ہوا تو چیں بجبیں ہو کر بولے "ریش دبروت چرا تراشیدی؟" بیدل نے اسی وقت یہ شعر کہہ کے پڑھا:

ریش دبروت خویش تراشیدہ ایم ما — لیکن دل کسے نخراشیدہ ایم ما

محمد امین خاں" رکن بادشاہی" تھے اور" ان کے ہاتھ سے رنج و راحت ظلم و انصاف سب کچھ ہوتا رہتا ہے" وہ اسے طعن سمجھے اور گفتگو بڑھنے لگی۔ قمرالدین خاں ڈرے کہ کہیں کسی کا خون نہ ہو جائے۔ نماز توڑ کر کے بیدل کا تعارف محمد امین خاں سے کرایا اور بیدل سے کہا: "نواب سے ملاقات کیجئے، وزیر الممالک بہت سخن فہم اور معنی شناس ہیں" نگار ص۱۷۹ (الف) آزاد نے قمرالدین خاں کو" وزیر بادشاہ" اور محمد امین خاں" کو ابتدائے حکایت میں" رکن بادشاہی" اور آخر میں "وزیر الممالک" کہا ہے۔ سلطنت مغلیہ کا قاعدہ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی وزیر ہوا کرتا تھا، گو بعض اوقات کوئی شخص اس کی نیابت پر بھی متعین کیا جاتا تھا۔ وزیر کے بعد میر بخشی کا عہدہ تھا، مگر اسے وزیر نہیں کہا جاتا تھا۔ بیدل کے زمانۂ آخر میں محمد امین خاں وزیر تھے، ان کی وفات کے بعد آصف جاہ اور ان کی علٰحدگی پر قمرالدین خاں کو یہ عہدہ ملا تھا۔ بیدل نے ان دونوں کی وزارت کا زمانہ نہیں پایا (ب) قمرالدین خاں محمد امین خاں مذکور کے بیٹے تھے، آزاد

اس سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں (ج) آزاد نے واقعہ جس طرح بیان کیا ہے، کہیں اور نہیں ملتا، تذکرۂ حسینی (م و ۱۵) میں جس کا مصنف بڑا افسانہ دوست ہے، یہ اس طرح درج ہے: بیدل آصف جاہ کے یہاں گئے تھے کہ وہاں محمد امین خاں پہنچے، انھوں نے ایک "فقیر ریش و بروت تراشیدہ" کو دیکھا تو دریافت کیا کہ کون ہیں۔ آصف جاہ سے معلوم ہوا کہ بیدل ہیں تو "استکراہاً" ان سے پوچھا: "دہیں را فقیری نامیدۂ کہ ریش و بروت تراشیدۂ؟" بیدل نے جواب دیا: "ریش خود تراشیدہ ام، دل کسے نخراشیدہ ام" (یہ نثر ہے، آزاد کے یہاں نظم) صاحب تذکرہ کا بیان ہے کہ اس پر "خان مزبور.. دست بخنجر گذاشت، مرزا.. ازیں طرف مشتے بر داشت" آصفجاہ نے صلح کرادی۔

(۱۹۱) ایک کابلی سوداگر کے سب انار گل گئے، چند دانے جو باقی رہ گئے تھے بطور نذر بیدل کے پاس لایا، انھوں نے اسے شعر ذیل لکھ کر دیا کہ نواب لطف اللہ خاں کے پاس لے جائے۔

بخیۂ کفشم اگر دنداں نما شد عیب نیست — خندہ دارد چرخ ہم بر ہرزہ گردیہای من

"نواب اسے حسن طلب سمجھے کہ شاید مرزا کی جوتی ٹوٹ گئی ہے اور نہایت غنیمت سمجھے۔ اسی وقت ایک لاکھ روپیہ بھیج دیا مرزا نے کل روپیہ اسی.. کو دیدیا" (نگار صہ۱۸) لطف اللہ خاں ابن شکر اللہ خاں (اور اسی سے بیدل کے تعلقات تھے) اتنا دولت مند نہ تھا کہ لاکھ روپے اس طرح بھیج دیتا اور نہ بیدل اتنے فیاض تھے کہ اتنی بڑی رقم سوداگر کو دیدیتے۔ اختراعی حکایت ہے۔

(۱۹۲) آہ سرکردۂ ارباب سخن — از غم آباد جہاں محروم رفت
گفت تاریخ وفاتش ہاتف — میرزا بیدل ازیں عالم رفت

نگار صہ۱۸۰ میں یہ قطعہ اسی طرح ہے، لیکن خزانۂ عامرہ میں "آہ" کی جگہ "سرو" "ہاتف" کے عوض "آزاد" اور "ازیں" کے بدلے "از" ہے۔ "ازیں" ہو تو ۱۱۹۳ اور "از" ہو تو ۱۱۳۳ نکلتا ہے۔

(۱۹۳) بیدل کا سال وفات ۱۱۹۳ھ ہے نگار صہ۱۸۰، صحیح ۱۱۳۳ھ اور یہ متفق علیہ ہے۔ سفینۂ خوشگو میں متعدد تاریخیں ہیں، جن میں سے ایک جو خود خوشگو کی کہی ہوئی ہے، یہ ہے: "یوم پنجشنبہ چہارم ماہ صفر"

(۱۹۴) "بڑے بڑے آدمیوں سے جو اس (بیدل) کے قریب زمانے میں موجود تھے، سنا گیا کہ بہت قوی تھا۔" نگار صہ۱۸۱۔ آزاد جن کی پیدائش ۱۲۴۵ھ کی ہے (نقوش شخصیات نمبر صہ۱۰) ایسے آدمیوں سے نہیں مل سکتے تھے، مگر آزاد کے نزدیک سال وفات ۱۱۹۳ھ ہے اور اس صورت

میں یہ مستبعد نہیں۔

(۱۹۵) بیدل کی قبر پر ان کا دیوان رکھا رہتا ہے نگار ص ۱۸۱ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ زمانۂ آزاد میں یہ کیفیت تھی، لیکن، اس سے بہت پہلے وہ مکان جہاں ان کا مزار تھا، "ویران محض" ہو چکا تھا (عقد ثریا ص ۱۷)

(۱۹۶) "خان آرزو کے طرفدار، شاہ لدّھا بلگرامی نے شیخ کے پاس جاکر بے اظہار نام یہ شعر بہ بہانۂ اصلاح پیش کیا: "بتے دارم کہ باشد از حیا مشاطگی تنگش الخ" (تنگش ؟) شیخ نے مسکرا کر کہا کہ معلوم میشود کہ از کاسہ لیسان حرامزادۂ اکبر آبادیست" نگار ص ۲۱۴۔ (الف) سید لطف اللہ عرف شاہ لدّھا بلگرامی (آزاد بلگرامی کے پیر) صوفی تھے، مگر ان کا شاعر ہونا ثابت نہیں۔ بتے دارم الخ کا مصنف نہ معلوم کون ہے (ب) شاعر بلگرامی (خال آزاد) کی تبصرۃ الناظرین سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ لدّھا کی وفات ۱۱۴۳ھ میں ہوئی تھی (م ص ۳۴۷)۔ حزیں، جیسا کہ نگار ص ۲۰۰ میں ہے ۱۱۴۶ھ میں وارد ہند ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا حزیں سے ملنا ممکن نہ تھا (ج) حزیں و آرزو میں علمی و ادبی منازعہ تھا، آرزو نے کبھی دشنام طرازی سے کام نہیں لیا، کوئی وجہ نہیں کہ حزیں گالی گلوچ پر اتر آتے جناب ڈاکٹر انور سدید انور نے جو آرزو پر ایک بسیط تحقیقی مقالے کے مصنف ہیں، معاصر حصۂ ۱ ص ۳۹ میں لکھا ہے کہ محسن (میر کا بھتیجا اور آرزو کے بھانجے کا بیٹا، یہ آرزو کا بڑا معتقد تھا) محاکمات الشعرا میں حزیں کا نام بہت احترام سے لیتا ہے، حزیں کا رد یہ وہ رہا ہوتا جو آزاد کہتے ہیں کہ تھا، تو محاکمات میں اس کا ردِ عمل ضرور نظر آتا۔

(۱۹۷) آزاد رجم الشیاطین کے مطالعے کے مدعی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حزیں کی طرف سے آرزو کی تنبیہ الغافلین کا جواب ہے اور اس کے دیباچے میں ان کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہے: یکے از جرگۂ حرامزادگان اکبرآباد ص ۲۱۳۔ جناب انور کا قول ہے کہ یہ نہ ہندوستان کے کسی کتب خانے میں ہے اور نہ کسی فہرست مخطوطات میں اس کا ذکر ہے۔ گمان غالب ہے کہ لکھی ہی نہیں گئی، حزیں اور آرزو کے جانبدار اور محسن اس سے بے خبر ہیں۔ تنبیہ کی اشاعت کے ۷ برس بعد آرزو نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ کسی ایرانی یا ہندوستانی نے اس کا رد نہیں لکھا (معاصر ا ص ۴۷) میرے نزدیک یہ متیقن ہے کہ حزیں نے جو آرزو کو اپنا حریف نہیں سمجھتے تھے، تنبیہ کا جواب نہیں لکھا، صاحب صبح گلشن (اواخر مادۂ ۱۳) کا بیان ہے کہ رجم سیالکوٹی مل، وارستہ کی جانب سے آرزو کی کتاب کا جواب ہے (ترجمۂ وارستہ)۔ وارستہ آرزو پر اعتراض سے نہیں چوکتا، لیکن وہ ان کا احترام ملحوظ رکھتا ہے۔ اس کا شمار نصیرِ یانِ حزیں میں بھی نہیں، خود اس نے حزیں پر اعتراض کئے ہیں (بہار عجم ا ص ـــ)۔ وہ اگر تنبیہ کا رد لکھتا بھی تو اس کا نام رجم الشیاطین نہ رکھتا۔ یہ کتاب اگر وجود خارجی رکھتی ہے تو کوئی اور شخص اس کا مصنف ہے۔

(۱۹۸) در بارۂ آرزو بحوالۂ خزانۂ عامرہ: "باپ .. اور ماں کی طرف سے محمد غوث گوالیاری سے سلسلۂ خاندان ملتا ہے" نگار ص۲۰۲ خزانۂ عامرہ م و ۹۴ میں صراحتہً مرقوم ہے کہ آرزو کے والد کا سلسلۂ نسب کمال الدین خواہر زادہ چراغ دہلی تک پہنچتا تھا۔ خود آرزو نے بھی یہی لکھا ہے (مجمع النفائس م و ۴۴)

(۱۹۹) "محمد شاہ .. خود اس کی ملاقات کو آیا، شیخ .. بوریے پر بیٹھا تھا، کنارہ اس کا اٹھا کر ایک قطعہ الماس بقدر کف دست نکالا اور سامنے رکھ کر کہا:

برگ سبز است تحفۂ درویش   چہ کند بینوا ہمیں دارد

محمد شاہ نے چند مرتبہ کئی لاکھ روپیہ بنام ضیافت دینا چاہا، شیخ نے یہی کہا کہ بسیر ہندوستان آمدہ ام برائے گدائی نیامدہ ام" نگار ص۲۱۰ شجاع الدولہ آصف الدولہ کو ساتھ لے کر ملنے گیا اور اشرفیوں کے دو خوان پیش کیے، حزیں نے "پیش خدمت" کو اشارہ کیا کہ "چندے برائے سرشار صاحبزادہ بیارید" وہ ویسے ہی ۱۱ خوان اشرفیوں کے لے آیا ص۲۱۲ یاریاں صحبت میں سے ایک کی زبانی روایت ہے کہ ایک حجرے سے جہاں بالکل زر پڑ نہ تھے، اور یہ بات نوکر کو اچھی طرح معلوم تھی، زر پڑا لانے کو کہا، وہ "چند توڑے" لے آیا ص۲۱۶ "شیخ .. قناعت اور پاس وضع میں لاثانی تھا۔ دربار محمد شاہی سے بھی اس کی مدد ہوتی تھی۔ امرائے عہد خصوصاً نواب اودھ و مرشد آباد و بہار و بنگالہ وغیرہ اس کی خدمت کرنے .. سعادت سمجھ کر خفیہ سلوک کرتے تھے۔ جہلا .. اسے دست غیب سمجھتے تھے" ص۲۱۶۔ (الف) محمد شاہ اور حزیں کی ملاقات نہیں ہوئی (عقد ثریا ترجمۂ حزیں) اور ہوتی بھی تو اتنا بڑا ہیرا حزیں کہاں سے لاتے کہ نذر کرتے۔ یہ بات نگار کے سوا کہیں اور نہیں ملتی (ب) "محمد شاہ نے چند .. نیامدہ ام" اور "دربار محمد شاہ .. تھے" میں تناقض صریح ہے، مگر آزاد کو اس کا احساس نہیں (ج) حقیقت یہ ہے کہ مختلف ذرائع سے اس کی مدد ہوتی تھی، مگر نہ اتنی کہ اشرفیوں کے ۱۱ خوان نثار کر سکے۔ "دست غیب" کو خود آزاد نہیں مانتے۔ مجمع النفائس میں لکھا ہے کہ "عمدۃ الملک قریب .. بیست لک دام جیدار بادشاہ برائے او گرفت، پس بجمعیت گزرانید" و ۱۲۳ (د) "نواب .. بنگالہ" مرشد آباد بنگالہ میں شامل ہے، اس لیے آزاد کی عبارت درست نہیں۔

(۲۰۰) نگار بحوالۂ سیر المتاخرین: "بادشاہ نے بہت التجا سے وزارت تک دینی چاہی، مگر .. قبول نہ کی" ص۲۱۰ (الف) غلام حسین، مصنف سیر بقول خود ۱۱۴۰ھ میں متولد ہوئے تھے (سیر ص۹۴۰) اور جس وقت حزیں وارد ہند ہوئے، طفل مکتب نشین تھے۔ اگر وزارت اوائل ہی میں پیش کی گئی تھی، تو ان کی عمر ایسی نہ تھی کہ ذاتی علم سے اس کا ذکر کر سکیں۔ حملۂ نادری کے بعد کی بات ہے، تو اس وقت عمدۃ الملک (عمدۃ الملک وغیرہ کے ذریعے وزارت مکرر پیش کی، سیر ص۹۶۰) خود خواہان وزارت

تھے۔ بلکہ محمد شاہ نے ان سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ موتمن الدولہ اپنے معتمد سے جو عمدۃ الملک کا ہم مذہب اور متوسل تھا، مشورہ کیا تو اس نے یہ جواب دیا: "ہر چند عمدۃ الملک امیر ابن الامیر صاحب جرات صائب تدبیر است، اما آصف جاہ و اعتماد الدولہ را جمیع اقویاے ہند بنظر امیدے بینند و اطاعت آنہا را سرمایۂ حصول مآرب .. خود میدانند۔ باعتماد امثال ما مردم برہم زدن اینہا جزم.. دولت خواہ مقرون بصلاح نیست" (سیر ص۴۸۱۔) (ب) حزیں شاعر اور ذی علم شخص تھے، لیکن نہ خود انتظامی صلاحیت کا اظہار کر چکے تھے اور نہ ان کے خاندان کے ارکان تدبر اور ملک داری کے لئے شہرت رکھتے تھے؛ ایسے شخص کو وزارت پیش کرنا بعید دور از قیاس ہے۔ (ج) حزیں جس وقت دہلی پہنچے ہیں اعتماد الدولہ قمر الدین خاں (آصف جاہ کے رشتہ دار اور ہم مذہب) وزیر تھے، اور اواخر عہد محمد شاہ تک یہی اس عہدے پر رہے۔ یہ دونوں اس زمانے کے مقتدر ترین امیر تھے، ایک شاعر کے لئے جو ادبی حلقوں سے باہر چنداں شہرت بھی نہیں رکھتا تھا، ان دونوں سے بگاڑ مول لینا دیوانگی ہوتی (د) غلام حسین اور ان کے مقلدین کے سوا اس پیشکش کا کسی نے ذکر نہیں کیا اور میرے نزدیک اس کی کچھ اصل نہیں۔

(۳۰)

(۳۰) آزاد کی عام روش ہے کہ اشعار دیکھ کر حکایات وضع کر لیتے ہیں۔ کلیات میر میں ایسے اشعار جن میں مختلف فرقوں کے نوجوانوں یا لڑکوں کا ذکر ہے، بہت ہیں، جن میں سے بعض یہاں پر نقل کیے جاتے ہیں:

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت تھیں　　اس نسخے کی ہم کو نہ رہی کوئی دوا یاد　　ص۲۶۳

میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب　　اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں　　ص۵۰۲

سجدہ کریں ہیں سحر کر و باش سارے اس کو | سید پسر وہ پیارا ہے گا امام بانکا ص۱۱
ترش رو بہت ہے وہ زرگر پسر | پڑے ہیں کھٹائی میں مدت سے ہم ص۲۸۹
وہ دھوبی کا کم ملتا ہی میل دل اودھر ہی بہت | کوئی کہے اس سے ملنے میں تجھ کو کیا ہم دھولیں ہیں ص۵۰

آزاد نے عطار بچے سے متعلق اشعار دیکھے (غنیمت ہے کہ سید پسر وغیرہ کے بارے میں جو اشعار ہیں، ان پر ان کی نظر نہیں پڑی)، تو پہلے یہ لکھا: "معلوم ہوتا ہے کہ.. طبیعت کبھی کبھی شگفتہ بھی ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک عطار کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے، وہ نوجوان تھا اور خوش پوشی کا اسے شوق تھا، چنانچہ اس کا دل خوش کرنے کو فرماتے ہیں: "کیفیتیں الخ" آب اشاعت ا ص۲۳۸ ("میر کیا سادے الخ" حاشیے میں بدون عبارت نثر)۔ لیکن، اس سے جی بھر گیا تو اشاعت ثانی میں ان کے قلم سے یہ نکلا: "محلے کے بازار میں عطار کی دکان تھی، آپ بھی کبھی کبھی اس کی دکان پر جا بیٹھتے تھے۔ اس کا نوجوان لڑکا بہت بناؤ سنگار کرتا رہتا تھا۔ میر.. کو برا معلوم ہوتا تھا، اس پر فرماتے ہیں "کیفیتیں الخ" کسی وقت طبیعت شگفتہ ہو گئی ہو گی جو فرماتے ہیں "میر کیا سادے الخ" ص۲۲۱۔

(۲۰۲) سخن ص۶۴ میں عبارت ذیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ گلستاں میں ہے: "چہ حرامزادہ مردمانند کہ سگہا را بستہ اندو سنگہا را گشادہ" مجھے شبہ ہوا تو میں نے ایک نولکشوری نسخہ اور وہ نسخہ جو کلیات سعدی مرتبۂ فروغی طبع ایران میں شامل ہے دیکھا، اور یہ عبارت ان میں نہ ملی۔ اگر کسی نسخے میں کسی صاحب کی نظر سے گذری ہو، تو براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔

(۲۰۳) آبرو کے "شعر جب تک پیر مکھن، پاکباز کے کلام سے چپڑے نہ جائیں تب تک مزا نہ دیں گے، اس لیے پہلے ایک شعر ان کا ہی لکھتا ہوں" آب ص۹۷۔ آزاد نے آبرو کا صرف ایک شعر ایسا دیا ہے جس میں "مکھن میاں" کو یاد کیا ہے، اور ان کا صحیح جو آبرو نے کہا تھا، وہ اس کے علاوہ ہے۔ آبرو و پاکباز کے تعلقات کیسے ہی کچھ نہ رہے ہوں، آبرو کے کلام سے لطف اٹھانے کے لیے پاکباز کے اس شعر کا دیکھنا جو آب میں ہے، قطعاً غیر ضروری ہے اور صرف رعایت لفظی کا شوق عبارت بالا کے لکھے جانے کا ذمہ دار ہے۔ اس سے قطع نظر، پاکباز کو "پیر مکھن" کسی نے نہیں لکھا "پیر مکھن" صحیح ہے (فہرست اشپرنگر ص۲۷۵)

(۲۰۴) ولی کا دیوان پیرس اور لندن میں چھپ گیا ہے آب ص۹۳۔ جہاں تک لندن کا تعلق ہے، آزاد کا قول غلط ہے، پیرس نسخہ دتاسی کا مرتب کردہ ہے اور ۱۸۳۴ء میں طبع ہوا تھا۔

(۲۰۵) صاحب نوطرز مرصع کا نام میر محمد عطا حسین خاں ہے آب ص۲۵ دیباچۂ نوطرز مرصع (غالباً "نامکمل) تذکرۂ مسرت افزا میں نقل ہوا ہے، اس میں نام میر محمد حسین عطا خاں ص۱۴۹، خود صاحب تذکرہ نے صرف

حسین عطا خاں لکھا ہے ص ۱۴۱۔

(۲۰۶) نوطرز مرصع ۱۷۹۸ء = ۱۲۱۳ھ عہد آصف الدولہ میں ختم ہوئی آب ص ۲۵۔ آصف الدولہ کی موت ربیع الاول ۱۲۱۲ھ = ستمبر ۱۷۹۷ء میں واقع ہوئی۔ ۱۷۹۸ء = ۱۲۱۳ھ عہد آصف الدولہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس سے قطع نظر، یہ کتاب سودا کے دوران حیات میں مکمل ہو چکی تھی (اردو نثری داستانیں از ڈاکٹر گیان چند جین ص ۱۴۶)

(۲۰۷) میرامن نے ۱۲۱۷ھ میں باغ و بہار لکھی، اور انھیں دنوں میں اخلاق محسنی کا ترجمہ کیا۔ "ساتھ ہی جان گلکرسٹ.. نے انگریزی میں قواعد اردو لکھی"، ۱۲۱۸ھ میں پریم ساگر اور بیتال پچیسی وجود میں آئیں "لیکن اس نقارۂ فخر کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا کہ میر انشاء اللہ خاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے ۱۲۲۲ھ میں قواعد اردو لکھ کر ایجاد کی ٹہنی میں ظرافت کے پھول کھلائے" آب ص ۲۹۔ اس موقع پر اور امور سے بحث نہیں، دکھانا صرف یہ ہے کہ گلکرسٹ کی قواعد اردو ۱۲۲۲ھ سے قبل ہی لکھی جا چکی تھی اور آزاد کو اس کا اقرار ہے تو یہ کس طرح لکھا کہ انشا پہلے قواعد نگار ہیں۔ یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ انشا سے پہلے کسی نے قواعد میں ظرافت کی آمیزش نہیں کی۔ اگر یہ مراد ہے کہ اردو بولنے والوں میں ان سے پہلے قواعد کی کتاب کسی نے نہیں لکھی، تو یہ المعنی فی بطن الشاعر کا مصداق ہے۔

(۲۰۸) آب ص ۹۰ میں ولی کو شاہ گلشن کا مرید لکھا ہے۔ نور المعرفت میں مرید نہیں شاگرد ہے۔ آزاد کے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔

(۲۰۹) احسن ایہام گو معاصر آبرو کا نام محمد احسن لکھا ہے آب ص ۱۰۶، لیکن خود آب میں یہ مصرع نقل ہوا ہے:
"یہی مضمون خط ہے احسن اللہ" اور دیباچۂ دیوانزادۂ حاتم کا جو خلاصہ درج ہے اس میں بھی احسن اللہ ہے ص ۱۱۵۔ تذکروں سے قطع نظر کر کے مزید ثبوت کے طور پر دیوان تاباں کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

"آبرو یک رنگ ناجی احسن اللہ اور ولی   ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح" ص ۱۰۹

(۲۱۰) "شاہ حاتم نے بڑی کوشش کر کے ان رنگ آمیزیوں (ایہام) سے اردو کو پاک کیا چنانچہ ان کے حال میں معلوم ہوگا" آب ص ۸۵۔ حاتم خود ایہام بند اور مقلدین آبرو میں تھے، لیکن جب مظہر، سودا وغیرہ ایہام کے مخالف ہوئے تو انھوں نے بھی اس صنعت کو برتنا بند کر دیا۔ یہ اس معاملے میں بھی مجتہد نہیں، مقلد ہیں دیوانزادۂ حاتم کے دیباچے کا جو خلاصہ آب ص ۱۱۵ میں ہے اور (مکمل دیباچے میں بھی) ایک لفظ ایہام کے خلاف نہیں اور خود آزاد نے بھی ان کے ترجمے میں حاتم کی مخالفت ایہام کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔

(۲۱۱) خیال ان انکھڑیوں کا چھوڑ مت مرنے کے بعد بھی   دلا آیا جو تو اس میکدے سے جام لیتا جا" آب ص ۱۳۴
آزاد نے اسے سودا کے نام سے لکھا ہے، لیکن سوز کا شعر ہے" (آوارہ گرد اشعار" اگست ۱۹۵۶ء کا ماہ نو کراچی)

(۲۱۲) جرات کے باپ کا نام حافظ امان لکھنے کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ "ان کے خاندان کا سلسلہ راے امان محمد شاہی سے ملتا ہے، اور امان کا لفظ اکبری زمانے سے ان کے خاندان کے ناموں کا خلعت چلا آتا ہے" آب ص ۲۳۶ "امان" نہیں "مان" چاہیے۔ مفید المخلص مصنفۂ شاہ غلام علی (شاہ عزیز اللہ دہلوی متوفی ۱۸۴۲ء کی اولاد سے تھے) کے ایک قدیم نسخے میں یہی ہے۔ آب میں ایک گلی کا نام راے مان کا کوچہ لکھا ہے (ص ۲۳۶) یہ بھی "مان" کا مصدق ہے۔ آزاد نے راے مان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ پڑھنے والا یہ گمان کر سکتا ہے کہ حافظ مان کے باپ یا دادا تھے، لیکن یہ دونوں بقول شاہ غلام علی حقیقی بھائی تھے اور حافظ مان نے نادر گردی میں شاہ غلام علی کے اجداد میں سے کسی کے یہاں پناہ لی تھی (مفید المخلص ورق)

(۲۱۳) ناسخ ۱۲۵۴ھ میں چونسٹھ پینسٹھ برس کی عمر میں مرے (آب طبع اول ص ۳۶۳) لیکن طبع مابعد میں ہے: "لوگ کہتے ہیں ۶۴، ۶۵ برس کی عمر تھی مگر رغمی سلمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تقریباً سو برس کی عمر ہوگی۔ اکثر عہد سلف کے معرکے اور نواب شجاع الدولہ کی باتیں آنکھوں سے دیکھی بیان کرتے تھے" ص ۳۵۳ یہ پتا نہ چلا کہ آزاد دونوں میں سے کسے ترجیح دیتے ہیں، ان راویوں کو جن کا نام وہ نہیں بتاتے یا رغمی کو۔ رغمی اور آزاد کے زمانۂ پیدائش کو دیکھتے ہوئے آصف الدولہ یا سعادت علی خاں کا وقت بھی "عہد سلف" کہا جا سکتا ہے اور اس کے لیے مطلق ضروری نہیں کہ ناسخ کی عمر "تقریباً ۱۰۰ برس" تسلیم کی جائے۔ رہے شجاع الدولہ تو وہ اواخر ۱۱۸۸ھ میں فوت ہوئے ہیں، اور ان کے آخری زمانے کی باتیں وہ شخص بھی چشم دید بیان کر سکتا ہے، جو ان کی موت کے وقت چار پانچ سال کا تھا۔ رغمی کوئی خاص بات اس زمانے کی بتاتے اور وہ ایسی ہوتی کہ ایک کمسن بچہ ان کا راوی نہیں ہو سکتا تو اور بات تھی۔ میری راے میں نہ چونسٹھ پینسٹھ ٹھیک ہے، نہ "تقریباً سو برس"۔ مصحفی نے ریاض الفصحا میں ناسخ کی عمر ۴۰ سال لکھی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ۲۰ سال سے شعر کہتے ہیں۔ مصحفی نے دیوان کے دیباچے میں (رجوع بہ ۷۰) جو ۱۲۲۴ھ میں مسطور ہوا تھا، اعتراف کیا ہے کہ یہ طرز خاص کے موجد ہیں اور میں خود اور آتش و عیشی ان کے مقلد ہیں۔ اگر ناسخ کا ترجمہ ریاض کے سال آغاز یعنی ۱۲۲۱ھ میں یا اس کے کچھ ہی بعد سپرد قلم ہوا ہے، تو ناسخ کی پیدائش ۱۱۸۲ھ کے لگ بھگ ٹھہرتی ہے۔ مصحفی کا بیان صحیح ہے تو یہ آخری حد ہے، ولادت اس سے پیشتر کی نہیں ہو سکتی؛ رغمی کا قول صحیح ماننے میں یہ خرابی ہے کہ یہ مصحفی کے ہم عمر (عمر ۱۰۰ مانی جائے، تو بڑے) اور انشا و رنگیں و قتیل سے کئی سال بڑے قرار پاتے ہیں۔ اس بنا پر کہ ریاض کا اختتام ۱۲۳۶ھ میں ہوا ہے، یہ کہا جائے کہ ۱۲۲۱ھ کے چند سال بعد ان کا ترجمہ قلم بند ہوا تھا، تو ناسخ کو اس مرتبے پر پہنچنے کے لیے کہ مصحفی سا کہنہ مشق شاعر جو سادہ گوئی کو پسند کرتا ہو، ان کے کلام کی مقبولیت دیکھ کر ان کے تتبع پر مجبور ہو، کافی وقت نہیں ملتا (دیباچۂ دیوان ۶)۔ میری راے میں یہ بہت قرین قیاس ہے کہ یہ ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، اس حساب سے انھوں نے ۷۰ برس کی عمر پائی۔

(۲۱۴) "دیوان .. میں غزلوں تاریخوں کے سوا اور قسم کی نظم نہیں" آب ص ۲۵۳ کلیات ناسخ (مطبع محمدی و مطبع نولکشور) میں کئی سو اشعار کی ایک مذہبی مثنوی موجود ہے، جو ان نول کشوری نسخوں سے جو میری نظر سے گزرے ہیں، غیر حاضر ہے۔ یہ مثنوی بیس پچیس سال قبل الگ سے کتابی شکل میں بھی چھپی تھی۔ کلیات مطبوعۂ مطبع محمدی سے متعلق اطلاع جناب سید مسعود حسن رضوی سے ملی ہے۔

(۲۱۵) "اس عہد تک لکھنؤ بھی آج کا لکھنؤ نہ تھا .. ذوق کا یہ مطلع جب وہاں پڑھا گیا:

خبر کر جنگ نوفل کی تو مجنوں اہل ہاموں کو
کبادہ تا چیا کھچوائے شاخ بید مجنوں کو

سب نے اسے بے معنی کہا، شیخ صاحب (ناسخ) نے جنگ نوفل کا واقعہ اور کبادہ کھینچنے کی اصطلاح بتائی، پھر سب نے تسلیم کیا، لیکن یہ امر نہ کچھ دلی والوں کے لیے موجب فخر ہے نہ لکھنؤ والوں کے لیے باعث ننگ، آخر دلی بھی ایک دن میں شاہجہاں آباد نہیں ہو گئی تھی، میر تقی اور مرزا رفیع پیدا ہوتے ہی میر اور سودا نہیں ہو گئے۔" آب ص ۳۰۱ اگر جس وقت یہ شعر لکھنؤ گیا ہے ذوق کی عمر ۲۵ سال کی تھی تو یہ سعادت علی خاں کا آخری زمانہ تھا، اور وہاں قتیل سا فارسی داں موجود تھا جو ہندوستان گیر شہرت کا مالک تھا اور جس کے مقابلے کا کوئی ایران شناس اس زمانے میں دہلی میں نہ تھا۔ رہے علما یعنی منطقی تو اس وقت مفتی غلام حضرت، مرزا حسن علی (صغیر) محدث، سید دلدار علی، ظہور اللہ فرنگی محلی، احمد انوار الحق، عبد الوالی، نور الحق وغیرہ وہاں موجود تھے اور بحر العلوم لکھنوی زندہ تھے گو ان کا قیام وہاں نہ تھا۔ عہد سعادت علی خاں ہی میں شاگرد مصحفی نے لیلیٰ و مجنوں کا قصہ بطور مثنوی لکھا جس میں نوفل کی جنگ کا حال بھی شامل ہے (نول ۱۸۸۶ء ص ۳۰) واضح رہے کہ اس موضوع پر نظامی کی جو مثنوی ہے اس میں بھی اس جنگ کا مذکور ہے۔ کبادہ "کمان بسیار نرم کہ آنرا چند جا چاک زنند تا از زور بیفتد و نہایت نرم گردد و اعم از آنکہ چلۂ آں زہ وہ باشد کہ ایں در مشق تیر اندازی بکار آید و خواہ .. از زنجیر باشد کہ در ورزش کشتی گیراں بکار آید و کمان فولاد نیز ہمیں است و در عرف ہندوستان لیزم گویند .. محسن تاثیر: .. در پنجۂ کشاکش گردوں کبادہ ام" (بہار عجم جلد ا ص ۲۵)۔ یہ بات کہ لکھنؤ میں ناسخ کے سوا نہ کسی کو جنگ نوفل کا حال معلوم تھا اور نہ کوئی کبادہ کھینچنے کی اصطلاح سے واقف تھا، مضحکہ خیز ہے۔

(۲۱۶) ولی کا دیوان دلی پہنچا تو "گیت موقوف ہو گئے، قوال معرفت کی محفلوں میں انھیں کی غزلیں گانے بجانے لگے، ارباب نشاط یاروں کو سنانے لگے" آب ص ۹۲ یہ سب الہامی باتیں ہیں، ان کا ثبوت موجود نہیں۔ "موقوف ہو گئے" خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

(۲۱۷) "۱۲۴۵ھ و ۱۸۲۸ء میں اسد اللہ الغالب کی رعایت سے غالب تخلص اختیار کیا" آب اشاعت ۲ ص ۵،

ایضاً اشاعت ا ص ۴۶۵ سنہ ۱۲۴۴ھ و سنہ ۱۸۲۸ء کے مطابق نہیں، یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک ہی واقعہ (تبدیلِ تخلص) دو مختلف زمانوں میں کیونکر ظہور میں آیا۔ تبدیلِ تخلص ان دونوں سنوں سے قبل کی بات ہے، چنانچہ بھوپالی نسخۂ دیوان میں غالب تخلص کی غزلیں ہیں۔

(۲۱۸) معتمد الدولہ آغا میر ناسخ کے "با اخلاص شاگرد" تھے آب ص ۳۵۲، سنہ ۱۸۳۱ء میں انھوں نے قصیدے کا صلہ سوا لاکھ روپیہ دیا، ناسخ مرزائی صاحب کے حوالے کر دیا؛ یہ سمجھ کر کہ رُپے ناسخ ہی کے گھر میں ہیں، چور نے نقب لگائی اور ناکام ہو گیا، ناسخ نے تاریخ کہی:

دزد در خانۂ ناسخ چو زدہ نقب امشب — نہ زر و سیم نہ بد مس خجل آمد بیروں

بہر تاریخ سیمی چو بریدم سر دزد — دزد از خانۂ مفلس خجل آمد بیروں

آب ص ۳۴۹ "معتمد الدولہ اور ان کے بیٹے ہمیشہ خدمت کو حاضر رہا کرتے تھے" ص ۳۵۲ (الف) آغا میر شاعر ہی نہ تھے، شاگردی کا کیا سوال ہے۔ ان کے بیٹے البتہ شاعر تھے (ب) آزاد نے صراحۃً نہیں لکھا، لیکن صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک لکھنؤ کا واقعہ ہے (ج) آغا میر سنہ ۱۸۲۸ء میں یا اس کے کچھ ہی بعد معزول ہو کر روانۂ کانپور ہو چکے تھے۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں وہ لکھنؤ میں تھے کہاں کہ ناسخ کو قصیدے کا صلہ دیتے۔ خود ناسخ بھی اس زمانے میں وہاں نہ تھے۔ کہنے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انعام کانپور میں ملا اور زرِ نقد مرزائی صاحب کو لکھنؤ بھیجے گئے، مگر سوال یہ ہے کہ اس کا ثبوت ہی کیا ہے کہ سوا لاکھ رُپے ملے، محض آزاد کا بیان، تو اس کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے۔ قصیدے پر انعام ملا ہو گا مگر اتنی بڑی رقم خلافِ قیاس ہے۔ مزید یہ کہ انعام لکھنؤ میں ملا ہو گا جب وہ وزیر تھے۔ مرزائی صاحب کے یہاں امانۃً رُپے رکھوانا کہیں سے ثابت نہیں۔ (د) قطعۂ تاریخ کا کوئی تعلق زرِ انعام سے نہیں۔

(۲۱۹) وارداتِ درد کی شرح علم الکتاب ہے جس میں ۱۱۱ رسالے نالۂ درد، آہِ سرد، دردِ دل، سوزِ دل، شمعِ محفل وغیرہ ہیں آب ص ۱۸۹۔ علم الکتاب م کو میں نے جا بجا سے دیکھا ہے، یہ رسائل نہیں، ابواب پر منقسم ہے، باب کے واسطے درد نے لفظ "وارد" استعمال کیا ہے۔ دردِ دل وغیرہ کا اس کتاب سے کچھ سروکار نہیں، یہ غلط محض ہے کہ یہ اس کے مختلف اجزا کے نام ہیں۔

(۲۲۰) متن آب ص ۳۴۳ میں لکھا ہے کہ ناسخ فیض آباد میں پیدا ہوئے، لیکن حاشیے میں مرقوم ہے کہ زخمی کہتے ہیں کہ باپ کے ساتھ لاہور سے آئے تھے۔ زخمی ابن اللہ طوفان کے بیٹے تھے جو ناسخ کے دوست تھے۔ تذکرۂ ابن طوفان میں جو اواسطِ مائۃ سیزدہم کا لکھا ہوا ہے صراحۃً مذکور ہے کہ ناسخ کی ولادت فیض آباد میں ہوئی تھی ص ۵۔ میرا خیال ہے کہ یہ تذکرہ زخمی نہیں ان کے بھائی کی تصنیف ہے، بہر حال، اس کا مصنف ناسخ کے دورانِ حیات میں جو کچھ کہتا ہے وہ اس پر جو زخمی بقول آزاد کم و بیش نصف صدی بعد کہتے ہیں، ترجیح رکھتا ہے۔

(۲۲۱) ص۳۵۱ و ص۳۵۲ میں ناسخ کے حیدرآباد بلائے جانے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کی سند پیش نہیں کی۔ اس صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ اسے قبول کیا جائے۔

(۲۲۲) ناسخ کے پٹنہ کنے (آب ص۳۵۳) کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(۲۲۳) "سودا کا کلیات ہر جگہ مل سکتا ہے۔۔ حکیم سید اصلح الدین خاں نے ترتیب دیا تھا اور اس پر دیباچہ بھی لکھا تھا" آب ص۱۵۲۔ کلیات شورش ۱۷۶۵ء سے کچھ قبل پہلی بار دلی میں چھپا۔ اس کا آغاز دیباچۂ ظہور علی سے ہوتا ہے، اس کے بعد قصیدۂ شاگرد سودا مع عبارات نثر ہے اور اس کے بعد عبرت الغافلین۔ کلیات نظم سے پہلے اصلح الدین کا دیباچہ ہے جو سودا کے دوران حیات میں حوالۂ قلم ہوا تھا۔ مطبوعہ کلیات اصلح الدین نہیں، بلکہ غلام احمد کا مرتب کیا ہوا ہے۔

(۲۲۴) کلیات سودا میں ۲۴ مثنویاں ہیں آب ص۱۵۲۔ کلیات مطبوعہ میں جو چھوٹی بڑی مثنویاں ہیں ان کی تعداد ۲۴ سے زیادہ ہے۔ ان میں سے کئی دراصل سودا کی نہیں، مثلاً مثنوی سراپا قائم کی ہے اور لاٹھی سے متعلق مثنوی ممتاز کی ہے۔ مفصل بحث آئندہ۔

(۲۲۵) "ایک دیوان غزلوں کا ہے جو ان کے سامنے رائج ہو گیا تھا، دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا" آب ص۳۸۹ فراغ سے آتش کے ایسے گرم و پسندیدہ اشعار سنے گئے جو کلیات مروجہ سے غیر حاضر ہیں۔ سبب یہ کہ آتش ایک صاحب کے شاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے وہ غزلیں پڑھ کر انہیں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ وفات آتش کے بعد شاگرد دیوان مرتب کرنے لگے تو بہت سی غزلیں انھیں سے ملیں" عمداً یا ان کی بے اعتنائی سے بعض اشعار دیوان میں نہ آئے۔۔ وہ شاگرد۔۔ ناسخ کے تھے، اس لیے بدگمانی لوگوں کو گنہگار کرتی ہے" ص۳۹۶۔

(الف) آتش کے ایسے اشعار جو کلیات مروجہ میں درج نہیں، ممکن ہے کہ ہوں، لیکن ناسخ کا کوئی شاگرد اس کا ذمہ دار نہیں، نہ صرف آتش ہی کا کلیات ایسا نہیں جو کل کلام مصنف پر حاوی نہیں، ایسے بہت سے کلیات موجود ہیں (ب) آتش ۱۲۶۲ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ ان کا کلیات خود ان کا تصحیح کیا ہوا ۱۲۶۱ھ میں مطبع محمدی نے چھاپا تھا اور یہ دو دواوین پر مشتمل ہے۔ خواجہ عشرت نے آب بقا میں کلیات کی اشاعت ثانی (مطبع علوی ۱۲۶۸ھ) سے یہ عبارت نقل کی ہے: "اگرچہ سابقاً روبروے مصنف قالب طبع یافتہ بود، حالا بار دیگر بسعی موفور۔۔ غزلیات بقیہ را در دیوان اضافہ نمودہ مع قطعات وفات مصنف ترتیب دادہ" ص۱۸۔ خیال آتا ہے کہ اشاعت ۲ بھی میری نظر سے گزری ہے، لیکن اس کا امکان ہے کہ یہ حافظے کا دھوکا ہو۔ بہرحال میں نے دونوں اشاعتوں کا مقابلہ نہیں کیا کہ یہ پتا چل سکے کہ اشاعت ۲ میں زائد کلام کتنا ہے۔ (ج) آزاد ان معاملات سے بالکل بے خبر ہیں، اور شاعرے کے متعلق جو کچھ ان کے قلم سے نکلا ہے، ان کے اختراعات سے ہو تو عجب نہیں۔

(۲۲۶) "ہر زبان کے اہل کمال کی عادت ہے کہ غیر زبان کے بعض الفاظ میں اپنے محاورے کا کچھ نہ کچھ تصرف کر لیتے

ہیں" آب ص۱۰۹ ، اس کی مثالیں موجود ہیں ان میں یہ شعر بھی ہے:

ساقی ہیں کو تری دیکھ کے گوری گوری　　شمع مجلس میں ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

اس شعر میں کئی دیسی لفظ ہیں، لیکن کوئی ایسا نہیں، جس میں سودا نے تصرف کیا ہو۔ "تھوڑی" دیسی لفظ گوری کا قافیہ آیا ہے، تو یہ سقم قافیہ ہے اور اس کو اکفا کہتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ شعر غیر زبان میں سودا کے تصرفات کی مثال میں پیش ہوا ہے۔

(۲۲۷) دخت رز سے کہا میخانے میں شب رندوں نے　　آج تو خوب ہی خٹکے تری سوکن کو لگے

آب ص۱۰۸ میں اس شعر کی تعریف ہے اور اسے احسان دہلوی سے منسوب کیا گیا ہے۔ مخزن فوائد مولفہ نکہت دہلوی (دخت کو برن) احسان کا یہ قطعہ ہے:

"دخت رز کہتی ہے سبزی تو مجھے لگتی ہے زہر　　ہائے تم چاہنے اس سوت کو برن کو لگے
ساقیا اس کی تشفی میں بہر کیفیت یہ کہہ　　بس کٹی ایسے ہی خٹکے تری سوکن کو لگے

دیوان احسان میں تو نہ آب والا شعر ہے نہ مخزن والا قطعہ، لیکن مجھے یاد ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے احسان پر جو مقالہ لکھا تھا، اس میں قطعہ موجود ہے، اور آزاد پر اعتراض بھی ہے۔

(۲۲۸) "سیامک جسے اہل ایران شت وخشور وخشوراں، برگزیدۂ یزداں، خدیو جہاں، شاہنشاہ پیشداد کہتے ہیں" سخن ص۶ زردشتی روایات اور شاہنامۂ فردوسی کے مطابق سیامک نہ نبی ہے نہ بادشاہ۔ دساتیری اسے نبی مانتے ہیں، لیکن اس کی بادشاہی کا دساتیر میں بھی ذکر نہیں۔ دساتیر و شاہنامہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ باپ کی زندگی ہی میں قتل ہوا تھا۔ پیشدادی خاندان کی ابتدا ہوشنگ سے ہوتی ہے اور دساتیری اسی کو وخشوراں وخشور یعنی پیمبر پیمبراں کہتے ہیں۔ لفظ شت صاحب دساتیر کا اختراع ہے۔

(۲۲۹) "زرتشت نے روما سے علوم حاصل کیے تھے اور اضلاع شام سے خروج کیا تھا" سخن ص۔ یہ لایعنی باتیں ہیں۔ شام و روما سے زرتشت کو کبھی کچھ سروکار نہیں رہا۔ زردشت کے حالات پر جو کتاب جیکسن نے انگریزی میں لکھی ہے، ملاحظہ ہو۔

(۲۳۰) "سال گذشتہ کی ایک تصنیف سے منکشف ہوا کہ زرتشت ساسانیوں کے عہد میں سنہ عیسوی سے تقریباً ۵۰۰ برس پہلے ہوا ہے اور اس کی تصنیف اوستا تھی۔۔ کہتے ہیں کہ اس کے ۲۰ باب تھے، ۱۹ گم ہو گئے، ایک وندیداد باقی ہے۔ جن لوگوں نے اکیسواں باب بھی کہا ہے وہ غلطی ہے۔ پیغمبر اسلام کے فضائل و معجزات سن کر اس قسم کے معجزے پیچھے لکھے گئے اور اوستا کا اکیسواں باب کہلائے" سخن ص۳۲ خدا جانے آزاد کن ماخذ سے کام لیتے ہیں، مشکل سے ایران قدیم کے متعلق کوئی صحیح بات ان کے قلم سے نکلتی ہے۔ دینکرد سے یہ ثابت ہے کہ اوستا کے ۲۱ دفتر تھے (آزاد نے دفتر ۲۱ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ کسی یورپ کی تصنیف میں میری نظر سے نہیں گزرا)۔ اس کی

غیر معتبر ہندوستانی نے لکھا ہو تو لکھا ہو)۔ ان میں سے وِیدیداد مکمل موجود ہے، باقی یا تو بالکل ضائع ہو گئے یا ان کے کچھ اجزا موجود ہیں۔

(۲۳۱) خردہ اوستا" کا ترجمہ ہے اور دیباچے میں لکھا ہے کہ ساسان پنجم نے کلام الٰہی سے دری میں ترجمہ کیا" سخن ص۲۹۔ اصل و ترجمہ کا نمونہ: "مس دودہ فیروزگر بادمینوئی خورشید امرگ بایومند خردہ ئند اروند اسپ ہمت دہیخت دیورشت" = "بزرگ و فیروزمند بادمینوئی خورشید بے مرگ خالص نورمند خردمند قوی اسپ بہ نیک نیت نیک گفتار نیک کردار نماز بردن" (سخن ص۔۔) ڈاکٹر محمد معین "مزدیسنا و تاثیر آں در ادبیات پارسی" میں لکھتے ہیں: "آذر بد مہراسپند، موبد موبداں زمان شاپور دوم ۔۔ ایں کتاب را تدوین کرد۔ آں براے نماز و ادعیہ و اقعاے روز و ایام متبرک ماہ و اعیاد مذہبی سال و دیگر مراسم و اوقات خوش و ناخوش کہ در طی زندگانی پیش آید۔۔ مطالب و ادعیۂ آں از اوستاے بزرگ استخراج شدہ است جز آنکہ بمناسبت دعا و نماز ہر موقع در آغاز و انجام تصرفاتے کردہ اند و بعدہا نیز بشمارۂ ایں ادعیہ افزودند ـــ ہمہ مندرجات خردہ اوستا بزبان اوستائی نیست بلکہ قسمت بزرگے از آں بزبان پازند و متعلق بازمنۂ متاخر است۔ بسیارے از نسخ خطی خردہ اوستا دارائے دعاہائے میباشند کہ در نسخ دیگر نیست" ص۲۳۲۔ ساسان پنجم دساتیر کا فرضی مترجم و مفسر (بزبان دری) ہے، اور ترجمہ و تفسیر دساتیر میں عربی کا ایک لفظ نہیں آیا، آزاد کو یہ نہ سوجھا کہ اس کے ترجمۂ خردہ اوستا میں عربی الفاظ خالص، نور، اور قوی کہاں سے آ گئے۔ ساسان مذکور خسرو پرویز کا معاصر بتایا گیا ہے (دساتیر)، یہ عربی الفاظ اس عہد کی کسی ایرانی کتاب میں نہیں ملتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملا فیروز نے دساتیر شائع کی تو ان کی طرح کچھ اور زردشتی بھی اس فریب میں آ گئے کہ یہ ایرانیوں کی آسمانی کتاب ہے، اور اس کے بعد خردہ اوستا کے جو بعض فارسی تراجم بمبئی میں شائع ہوئے، ان میں دساتیر کے اقتباسات بھی تھے، اور ناشر نے ان کے متعلق لکھا تھا کہ اصل کا ترجمہ ساسان پنجم نے کیا تھا۔ آزاد یہ سمجھے کہ ساری خردہ اوستا ساسان ہی کی ترجمہ کی ہوئی ہے۔ خردہ اوستا کا ترجمہ آقاے پور داؤد نے بھی کیا ہے اور یہ چھپ گیا ہے۔ اس کے مقدمے میں بھی خردہ اوستا کی اصل سے بحث ہے (ص۲۶)۔ آقاے موصوف کی خردہ اوستا میں "خورشید نیایش" کی جو عبارت پازند ہے وہ آزاد کی نقل کردہ عبارت سے مختلف ہے ص۱۰۱۔

(۲۳۲) ناصر علی کے چند اشعار جو سرخوش کو بیاض فطرت میں ملے بعض ان میں سے لکھے جاتے ہیں (سخن ص۱۹۲) کلمات الشعرائے سرخوش ص۷۶ میں ناصر علی کے منتخب اشعار سے قبل یہ عبارت درج ہے "ایں چند شعر خوش کردۂ میر معز (فطرت) وغیرہ اعزۂ صاحب کمال است،" ظاہر ہے کہ یہ پتا چلانا ممکن نہیں کہ فطرت کے منتخب کردہ اشعار کون سے ہیں اور دوسروں نے کون سے اشعار چنے تھے۔ بیاض فطرت کا ترجمۂ ناصر علی میں کہیں نام بھی نہیں آیا۔

یہ امور درکنار، سخن ص۱۶۲ میں ناصر علی کے جو اشعار ہیں وہ کلمات سے غیر حاضر ہیں۔

(۲۳۳) آخر گل اپنی صرفِ درِ میکدہ ہوئی پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

یہ شعر گلشن بیخار، مصنفۂ شیفتہ میں جہاں دار کے نام سے ہے۔ مگر دیوان ذوق مرتبۂ آزاد میں بھی بتبدیل بعض الفاظ موجود ہے (ص۹۲)۔ اس سلسلے میں امور ذیل شایان توجہ ہیں: (الف) گلشن بیخار ذوق کے دوران حیات ہی میں دو تین بار آغا محمد باقر پدر آزاد کے مطبع میں چھپا تھا۔ اور یقین ہے کہ ذوق کی نظر سے بھی گزرا ہوگا۔ اگر شیفتہ نے سہواً ذوق کا شعر جہاندار سے منسوب کر دیا تھا، تو اسی زمانے میں اس کی تصحیح ہو جاتی۔ ذوق کے اشعار پر اہل مطبع کی خاص توجہ رہی تھی، چنانچہ بہت سے اشعار جو شیفتہ نے نہیں لکھے تھے؛ اہل مطبع نے اپنی طرف سے شامل تذکرہ کر دیے ہیں۔ تفاصیل کے لیے راقم کا مقالہ "گلشن بیخار" ملاحظہ ہو، جو نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے (ب) ظہیر و انور وغیرہ نے جو دیوان ذوق مرتب کیا تھا اس سے یہ شعر غیر حاضر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ذوق کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

(۲۳۴) ولی کی ایک "مثنوی مختصر معرکۂ کربلا کے حال میں ہے" آب ص۹۳ کلیات ولی میں صرف دو مثنویاں ہیں، اور ان میں معرکۂ کربلا کا ذکر درکنار اس کی طرف اشارہ تک نہیں۔

(۲۳۵) ایران میں ملیدے کو چنگالی کہتے ہیں سخن ص۲۴ یہ صحیح نہیں، برہان قاطع جلد ۲ مرتبۂ ڈاکٹر محمد معین ص۶۹۵ میں ہے: "چنگال .. نان گرمی را گویند کہ بار وغن و شیرینی در یکدیگر مالیدہ باشند و آنرا چنگالی (صرف ایک ن) نیز گویند"

(۲۳۶) "بعض الفاظ فارسی کے اول میں الف اصلی ہے، بعض میں زائد۔ کیا عجب .. کہ .. جس لفظ کا پہلا حرف ساکن سنا ہو، اپنے تلفظ کی آسانی کے لیے اول ایک الف متحرک لگا دیا ہو، وہ زائد مشہور ہو گیا جیسے اشکم شکم، اشتر شتر دونوں طرح بولتے ہیں۔ آج کون کہ سکتا ہے کہ ان میں کہاں الف اصلی ہے اور کہاں عرب کا عطیہ ہے" سخن ص۵۶۔ اشکم و اشتر دونوں میں الف اصلی ہے، (حاشیۂ برہان قاطع جلد ۱ ص۱۳۸ و ص۱۴۰)۔ الف زائد بھی ہوتا تو اس کا عربوں سے کیا واسطہ؟

(۲۳۷) "عربی لفظوں سے فارسی طور پر اشتقاق .. فہم سے فہمیدن .. شم سے شمیدن" سخن ص۲۲۶ فارسی میں شمیدن ایک مصدر ضرور ہے لیکن، اس کا عربی شم سے کچھ تعلق نہیں۔ (رجوع بہ برہان قاطع وغیرہ)

(۲۳۸) "ایک صاحب نے ان کے سامنے کو کہا کہ شراب پینی سخت گناہ ہے۔ آپ نے سن کر کہا کہ بھلا جو پیے تو کیا ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ادنیٰ بات یہ ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا نے کہا کہ آپ جانتے ہیں، شراب پیتا کون ہے؟ اول تو وہ کہ ایک بوتل اولڈ ٹام کی، سامان سامنے .. ہو، دوسرے بےفکری، تیسرے صحت۔ آپ فرمایئے کہ جسے یہ سب کچھ حاصل ہے اسے اور کیا چاہئے جس کے لیے دعا کرے" آب ص۵۵ خود غالب

نے یہ لطیفہ اس طرح لکھا ہے: "ایک مولوی وعظ میں شراب کی مذمت کر رہے تھے، فرمانے لگے ادنیٰ برائی یہ.. کہ جب تک اس کی بو.. منھ سے آتی ہے، دعا نہیں قبول ہوتی۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب آدمی.. شراب جب پیے گا کہ ۳ باتیں.. میسر ہوں گی، پہلے تندرستی، پھر دولتمندی، پھر خاطر جمعی۔ اب آپ انصاف کریں جب یہ تینوں.. موجود ہوئیں ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اس کی تمنا.. اور اس کے ملنے کے واسطے دعا کرے" (انتخاب غالب ص۳۹)

(۲۳۹) "فارسی لفظوں کو عربی لفظوں کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں مثلاً.. لباس فریب،.. جام ملبب" سخن ص۲۲۷ ملبب اردو میں میر حسن و افسوس وغیرہ کے یہاں ملتا ہے، لیکن عام طور پر مروج نہیں، بعض غیر محتاط ہندوستانی فارسی گویوں نے بھی اسے استعمال کیا ہے، لیکن نہ تو محتاط ہندوستانی فارسی گو اسے برتتے ہیں اور نہ کسی ایرانی کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اسے مثال میں پیش کرنا نہ تھا۔

(۲۴۰) اہل زباں نے.. بعض الفاظ عربی میں.. ساکن کو متحرک باندھا.. ناصر خسرو: "اگر سہوے بود درے عفو کن الخ" "وو قرن از کرمت در دو جہاں بردہ نواست الخ" سخن ص۲۲۹ دوسرا شعر اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے ناصر خسرو کا سمجھے گا، لیکن وہ انوری کا ہے، اور وہ مصرع جس میں قرن آیا ہے دراصل اس طرح ہے: "وا ے دو قرن از کرمت بردہ جہاں برگ و نوا" (کلیات انوری م ۲۲۶ و ۲۱)۔ قرن صحیح بندھا ہے۔

(۲۴۱) آرزو کے ایک شعر پر حزیں معترض ہوئے، اس کی خبر آرزو کو ملی، وہ بہت خفا ہوئے حزیں کے پاس" اول تو کس و ناکس کو بار نہ تھی، عمائد و اراکین اگر جاتے تھے تو بپاس آداب زیادہ گفتگو بھی نہ کر سکتے.. پھر جا کے مباحثہ اور وہ بھی اعتراض اس کے کلام پر۔ اس واسطے جس جلد گر کی دوکان (دکان) شیخ کی کتابیں جاتی تھیں، وہاں.. آرزو نے راہ نکالی۔ اتفاقاً شیخ نے اپنی کسی کتاب کے ورق پر ایک غزل لکھی تھی اور اس کے گرد ایک سانپ کھینچا تھا، لطیفہ.. یہ.. کہ گویا یہ خزانہ اور سانپ.. اس کے حافظ.. آرزو نے اول اس کے مطلع ہی پر اعتراض کیا کہ سانپ کا سر کچلنا چاہیے اور چند اعتراض اور بھی لکھے تاکہ شیخ کی نظر سے گذرے بعد ازاں.. شاگردوں کو زبانی اس کے اشعار پر اعتراضات بتانے شروع کیے.. بلکہ شیخ کے دیوان کے رد میں.. تنبیہ الغافلین لکھی اس میں.. ۴ شعروں پر اعتراض.. ہے" نگار ص۱۲، تنبیہ الغافلین لکھنا صحیح (تعداد اعتراضات ے ۱ کے شہوگی)، باقی سب کچھ بازاری گپ۔ آرزو نے مجمع النفائس میں حزیں کے یہاں ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ خدا جانے آزاد آرزو کو کیا سمجھتے ہیں ان کا شمار عمائد دہلی میں تھا اور انھیں خطاب خانی بھی ملا تھا۔

(۲۴۲) فاریاب علاقۂ ترکستان میں ہے نگار ص۱۹ معجم البلدان جلد ۳ ص۸۴۰ میں فاریاب کے متعلق یہ عبارت ہے: "مدینۃ مشہورۃ بخراسان من اعمال جوزجان ۔۔ و بین فاریاب الی بلخ ستۃ مراحل"

(۲۴۳) قصۂ مہر و وفا ظہیر فاریابی کی تصنیف ہے نگار ص۱۲۵ ۔ مہر و وفا رشیدی سمرقندی کا ہے (تذکرۃ الشعرا از دولت شاہ طبع یورپ ص۶۸)۔

(۲۴۴) آرزو حنفی تھے اور میر شیعی اور اس پر نازک مزاجی غضب۔ بالغرض کسی مسئلے پر بگڑ کر الگ ہو گئے" (حاشیہ: "میر کلو عرش ... سے معلوم ہوا") آب اشاعت اول ص۲۱۹، "آرزو ... ہو گئے" (حاشیہ: میر کلو عرش ... سے معلوم ہوا") آب اشاعت ۱ ص۲۱۹ "آرزو ... ہو گئے" (حاشیہ ندارد) اشاعت ۲ ص۲۰۳ حاشیے میں ایک ضروری بات تھی، جو ظاہراً بے سبب حذف ہوئی۔ مگر یہ بات کہ بگاڑ اختلاف عقائد کی وجہ سے ہوا، ذکر میر سے ثابت نہیں۔ اس سے کچھ اور اسباب کا پتا چلتا ہے۔

(۲۴۵) "لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا   جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ گرما"

آب ص۲۱۷ میں جو حکایت اس کے متعلق درج ہے اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔

(۲۴۶) جامی بہارستان میں سلمان ساوجی کی بہت تعریف کرتے ہیں، "مگر یہ کہتے ہیں کہ سرقہ کرتا تھا اور خصوصاً کمال اسمٰعیل کی چوری بہت کرتا تھا" نگار ص۱۳۶ بہارستان (کلیات جامی م ۱۸۰) "در معانی خاصہ بسیار است و بسا اوقات و بسیارے از معانی استادانہ بہ تخصیص کمال اسمٰعیل در اشعار خود ایراد کردہ چوں آن در صورت خوبتر و اسلوب مرغوبتر واقع شدہ محل طعن و ملامت نیست" و ۴۵۶۔ اس کے بعد جامی کا وہ قطعہ ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ شاہد معنی کو پہلے سے بہتر لباس پہنایا جائے تو اچھا ہے۔

(۲۴۷) دیوان ذوق مرتبۂ آزاد ص۲۵۵ میں سکندر کی رباعی جو تذکرۂ قاسم م و ۱۳۷ میں ہے، بہ تبدیل بعض الفاظ درج ہے۔ یہ انور وغیرہ کے مرتبہ دیوان میں نہیں اور آزاد کے سوا کوئی اسے ذوق کی ملک نہیں سمجھتا:

اے زاہد و کیا تم سے جھگڑا کروں میں   ناحق کو دل اپنا یہ کروں کیوں خوں میں
میخوارہ و بت پرست کہتے ہو مجھے   ہوں میں ہوں جو کچھ کہ ہوں میں ہوں میں

(۲۴۸) "تناسخ کا مسئلہ اُن (ایرانیوں) میں بھی تھا، چنانچہ جو شخص بے گناہ کو مارے اسے دوسری ولادت میں اس کا عذاب اٹھانا پڑتا تھا" سخن ص۱۱ آب ص۳۶ میں بھی ہے کہ "تناسخ کا مسئلہ دونوں (ہندو اور ایرانی) میں یکساں تھا" زردشتی قیامت کے قائل ہیں، تناسخ سے انھیں کچھ سروکار نہیں۔ تناسخ دساتیری عقیدہ ہے، اس سے مفصل بحث اس مقالے میں ہوگی جو دساتیر پر لکھا جا رہا ہے۔

(۲۴۹) سخن ص۱۱ سے (۲۴۸) میں جو عبارت نقل ہوئی ہے، اس کے بعد یہ الفاظ آتے ہیں: "ہمارے تصوف نے اس خیال کو زندہ کیا:

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام   ہم چو سبزہ بارہا روئیدہ ام

کلیات رومی ص۵۴۸ میں ایک غزل ہے جس کے ۳ شعر یہ ہیں:

اے پسر اندر سپہر ہفتمیں — با ملائک سالہا گر دیدہ ام
گر بگویم شرح جان خویش را — ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
تو مپرس ندم ز حال زندگی — ہم چو سبزہ بارہا روییدہ ام"

مسلمانوں میں تناسخیہ فرقہ گزرا ہے، لیکن صوفی تناسخ کو نہیں مانتے۔ رومی کے اشعار میں توحید وجودی کا بیان ہے۔ آزاد نے شعر جس طرح دیا ہے، مشہور اسی طرح ہے، مگر شہرت صحت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔

(۲۵۰) سیامک پسر کیومرث سخن ص۱۰۲، دساتیر و شاہنامہ میں اسی طرح، لیکن اصلی زردشتی روایت کے بموجب اس کا پوتا اور دختر زادہ تھا (بندہش) مسلمان مورخ بھی اس سے ناواقف نہ تھے۔ حمزہ اصفہانی تاریخ ملوک الارض (طبع کلکتہ) میں لکھتا ہے: "سیامک بن مشی بن کیومرث (ص۱۵۳، ۲) اس کتاب میں دختر کیومرث کا بھی ذکر ہے۔

(۲۵۱) "اجرام آسمانی کی عظمت واجب اور تغیرات عالم میں انھیں موثر سمجھتے.. دبستان مذاہب میں ۷ سیاروں کی صورتیں لکھی ہیں" سخن ص۱۰۳۔ دبستان میں اس سلسلے میں جو کچھ مرقوم ہے اس کا تعلق زردشتیوں سے نہیں، دساتیریوں سے ہے (مقالہ دساتیر میں مفصل بحث ہوگی)

(۲۵۲) آزاد کے بیان کے مطابق عہد اکبر شاہی (آغاز ۱۲۲۱ھ) میں منت ظفر کے یہاں جایا کرتے تھے، آب ص۱۴۱، لیکن یہ مادۂ سیزدہم کے عشرۂ اول ہی میں راہی عدم ہو چکے تھے (معاصرہ ص)

(۲۵۳) آب ص۲۴۸ میں بے سرو سامانی کے عالم میں عازم لکھنؤ ہونے، گاڑی میں زبان کے بگڑ جانے کے متعلق گفتگو، مشاعرے میں شرکت یہ سب مصنوعی باتیں ہیں۔ میر آصف الدولہ کے بلانے ہوئے گئے۔ تمام اخراجات سفر انھیں پیشگی مل گئے تھے۔ قطعہ بھی جو ص۲۰۶ میں میر کی طرف منسوب ہے، نہ کلیات میر میں ہے اور نہ کسی اور کتاب میں۔ میں ان امور سے نقوش میں بالتفصیل بحث کر چکا ہوں۔

(۲۵۴) انشا مرشد آباد سے دہلی آئے آب ص۲۶۰۔ یہ غلط محض ہے۔ مرشد آباد سے کئی جگہ ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچے اور وہاں کئی سال مقیم رہے، اس کے بعد لکھنؤ جانا ہوا ہوگا۔ (تذکرۂ میر حسن و سفینۂ ہندی وغیرہ)

(۲۵۵) آتش کے" کلام میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو دلی اور لکھنؤ کی زبان میں پورب پچھم کا فرق دکھاتے ہیں۔ دلی والے اندھیری کہتے ہیں اور انھوں نے اندھیاری باندھا ہے" آب.. ص۳۹۴۔ اندھیارا یا اندھیاری خاص لکھنؤ کا لفظ نہیں، تاباں کہتا ہے: "کچھ نظر آتا نہیں جب رات اندھیاری ہوئی" (دیوان ص۱۸۹) میر کا مصرع ہے "جو جلتے رہے کہ اندھیاری" (کلیات ص۴۷۳)

(۲۵۶) "اکثر بزرگ پرانے پرانے مشتاق.. فراق.. قاسم.. شکیبا.. عظیم بیگ، اور.. محب.. حافظ عبد الرحمن خاں احسان وغیرہ موجود تھے، سب ان کے دعوے سنتے تھے اور بعض موقع پر اپنی بزرگی سے ان کی طنزوں کو برداشت کرتے تھے مگر خاموش نہ کر سکتے تھے" ص۴۱۸۔ نصیر کا سال پیدائش معلوم

نہیں، لیکن قرائن کہتے ہیں کہ ۱۱۷۱ھ اور ۱۱۷۵ھ کے مابین پیدا ہوئے۔ مصحفی نے ریاض الفصحا میں ان کی عمر ۶۰ سے متجاوز بتائی ہے اور لکھا ہے کہ دہلی میں میر خرم کے یہاں جو مشاعرے کیا کرتا تھا، ان میں "چندے" شریک ہوا کیے اور اس زمانے میں ان کا کلام مبتدیانہ تھا۔ یہ بات ۱۱۹۸ھ یا اس سے بھی قبل کی ہے (سالِ ورود لکھنؤ ۱۱۹۸ھ)۔ اوروں سے قطع نظر، احسان کو جوان کے مقابلے میں بزرگ و کہنہ مشق دکھایا گیا ہے، یہ مطلقاً بے اصل ہے، وہ ۱۲۲۶ھ میں فوت ہوئے ہیں اور ان کی ولادت ۱۱۸۳ھ یا اس کے لگ بھگ ہوئی تھی

(مزید بحث آیندہ)

(۲۵۷) افراسیاب نے بیٹے کے اغواسے سیاوش کو قتل کرا دیا۔ ص۲۹ سیاوش کے قتل میں افراسیاب کے بیٹے کو دخل نہ تھا، بہکانے والا اس کا بھائی گرسیوز تھا (شاہنامۂ فردوسی جلد ا نول ص۲۲۵ و مابعد)

(۲۵۸) اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ "پہلوی۔۔ ایران میں ایسی ہے جیسے ہندوستان میں کوئی مہذب پراکرت اور ایک پہلو اس کا عرب سے بھی ملا ہوا ہے" سخن ص۳۸۔ آزاد نے "ارداے ویراف" کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں "مِن" آیا ہے، آزاد کہتے ہیں کہ یہ عربی ہے، بعض دوسرے الفاظ کے متعلق بھی یہی کہا ہے۔ پہلوی کا عربی سے تعلق نہیں اور نہ یہ کسی واقف کار نے لکھا ہے۔ لفظ "مِن" جسے آزاد عربی سمجھتے ہیں، ہزوارش ہے، اس کی بحث ان انگریزی کتابوں میں آچکی تھی، جو سخن سے قبل تصنیف ہوئی تھیں، لیکن آزاد جو ایران کی قدیم زبانوں کے مورخ اور ان کے تعلقات باہمی کو دکھانے والے ہیں، اس سے قطعاً بے خبر ہیں کہ ہزوارش کیا ہے ہزوارش کا بیان ہوگ، دارمستتر، وسٹا، پور داؤد وغیرہ کی تصانیف میں ملاحظہ ہو۔

(۲۵۹) مینو خرد کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ زرتشتیوں کے کسی ایسے فرقے کی کتاب ہے جو دیوتاؤں اور موثر و توانا روحوں کو بھی یزداں کہتا تھا" سخن ص۲۹۔ زرتشتیوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو "دیوتاؤں" کو مانتا ہو، ان کے نزدیک اہورامزدا خالق کل ہے۔ آزاد کو دھوکا اس سے ہوا کہ پہلوی میں یزت (جمع یزتاں) فرشتوں کی ایک قسم ہے جس کا رتبہ امشاسپند سے کم ہے۔ مینو خرد میں دیوتاؤں کو ہرگز یزداں نہیں کہا گیا، فرشتوں کو کہا گیا ہے۔

(۲۶۰) انیس کی زبان سے ذوق کے بارے میں "میاں سید میر کے بعد پھر دلی میں ایسا شاعر کون ہوا ہے"! الفاظ آزاد "بزرگوں سے زباں بزباں خواجہ میر درد کے لیے یہی نام ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا: معلوم ہوا کہ اس عہد کے لوگ انھیں میاں خواجہ میر کہتے تھے" ص۴۷۸۔ آب ص۱۸۶ میں مرقوم ہے کہ "سید انشا نے بھی لکھا ہے کہ خواجہ میر اثر مرحوم" (طبع اول ص۱۹۱ میں بھی یہی)۔ لطف یہ کہ آب ص۱۸۰ میں چھوٹے بھائی کا نام محمد میر لکھا ہے۔ اظہار رائے کی ضرورت نہیں، مگر حقیقت کا بیان لازم ہے۔ درد کا نام خواجہ میر اور اثر کا محمد میر تھا۔

(۳۶۱) غالب ۱۸۳۰ء میں کلکتے گئے آب ص۵۰۳ غالب بتاریخ ۱۹ فروری ۱۸۲۸ء (راہ میں کئی جگہ ٹھہرتے ہوئے) کلکتے پہنچ چکے تھے (ذکر غالب طبع ۳ ص۵۰)

(۳۶۲) "دلی میں میر... نے ایک مثنوی کہی، اپنے تئیں اژدہا قرار دیا اور شعرائے عصر میں سے کسی کو چوہا کسی کو سانپ، کسی کو بچھو، کسی کو کنکھجورا وغیرہ وغیرہ ٹھیرایا.. اس قصیدے کا نام اجگرنامہ قرار دیا اور مشاعرے میں لاکر پڑھا" آب ص۲۱۱۔ اسے ص۲۱۱ میں مثنوی کہا ہے اور نام پہلے اژدرنامہ اور اس کے بعد اجگرنامہ لکھا ہے۔ مثنوی کو قصیدہ کیوں کہا، سمجھ میں نہ آیا۔ یہ دعویٰ بھی محتاج ثبوت ہے کہ اس کا نام میر نے اجگرنامہ بھی رکھا تھا۔

(۳۶۳) خسرو کے حال میں جتنی حکایتیں آب میں درج ہیں، محض بازاری گپیں ہیں۔ بعض کا ذکر سابق میں آچکا ہے، بقیہ کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے: چار پنہاریوں کی حکایت ص۷۴، سلطان جی کے یہاں کا واقعہ ص۷۵، دھنیے کا معاملہ۔ بعض اوقات داستانوں کا پیش کرنا بھی بے محل نہیں ہوتا، مگر یہ سمجھ کر کہ داستان ہے۔ بازاری گپوں کو روایات صحیحہ کا مرتبہ دینے والا مصنف محققین میں محسوب نہیں ہو سکتا۔

(۳۶۴) خسرو کا جو کلام آب میں ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ان کی طرف منسوب کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود ہو۔ صنعت ملمع والی غزل تو میرے خیال میں شیرانی نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی نہیں۔

(۳۶۵) رنگیں کے بیان کے مطابق آزاد نے جو انشا کے ۳ رنگ دکھائے ہیں ان کا آغاز اس طرح کیا ہے: "خان موصوف کہا کرتے تھے" (آب ص۲۹۶) مگر یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ خود آزاد کو وہ باتیں جو اس کے بعد انھوں نے لکھی ہیں، کس سے معلوم ہوئیں۔ بہرحال، جو واقعات بیان کیے ہیں ان میں سے یہ توضیح ہے کہ انشا آخر عمر میں مجنوں ہو گئے تھے، اور کسی کا ثبوت موجود نہیں۔ "کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں الخ" یہ غزل جو آزاد کی نظر میں انشا کے زمانۂ آخر کی ہے، مصحفی کے تذکرۂ ہندی میں جس کا اختتام ۱۲۰۹ھ میں ہوا ہے اس کے کچھ اشعار موجود ہیں۔

(۳۶۶) تربوز والی حکایت میں آزاد نے انشا سے کہلوایا ہے "ظالم کی قید میں ہوں، سوا دربار کے گھر سے نکلنے کا حکم نہیں" ص۲۹۷۔ آزاد نے ص۲۹۲ میں بھی ایک منظوم فارسی رقعے کے متعلق لکھا ہے کہ "اس سے.. معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت گھر سے نکلنا بند تھا" اس کے آخری اشعار یہ ہیں:

هنوز قید نداری چو سرو آزادی — بہر کجا کہ دست می کشد سرافرازی
تو سر بمہر نہ ہمچو نامۂ شاہاں — اگرچہ فرقۂ مخصوص مطلب رازی
بایں جریمہ کہ حاضر بخدمت نشدم — توقع اینکہ زچشم خودم نیندازی
بدون حکم وزیر الممالک اے آغا — چساں کنم حرکت نوکریست یا بازی

نماز روزہ معافست عذر اگر باشد   بگو برائے چہ دیگر بہ شکوہ پردازی
بعید نیست پے سیر اگر بخانۂ من   قدم گذاری گاہے ز لطف بنوازی

قید ہونے کا مدار اسی نظم پر ہے، مگر اس میں قیود ملازمت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بات کہ سعادت علی خاں نے انشا کو دربار کے سوا کہیں اور جانے کو منع کر دیا تھا، کہیں سے ثابت نہیں۔ اور خلاف قیاس ہے۔

(۲۶۷) انشا کے "دیوان فارسی کا یہی حال ہے باتوں ہی باتوں کا مزا ہے، جس غزل کو دیکھو دو ایرانی ہیں کہ کھڑے باتیں کر رہے ہیں اور فقط سکھڑاپن، مضمون کو دیکھو تو کچھ بھی نہیں" آب ص ۲۸۶ دیوان فارسی کلیات مطبوعہ میں شامل ہے۔ (ص ۲۸۳ ۔ ص ۳۰۲) اس میں ایک مصرع بھی ایسا نہیں، جس میں سکھڑاپن ہو۔ شاعری کا پایہ کچھ بلند نہیں، لیکن یہ غلط ہے کہ کوئی مضمون ہی نہیں، محض باتیں ہی باتیں ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مشرب رندانہ میداریم و بیجو شیم ما   باشمیم تندے چوں خم ہم آغوشیم ما   ص ۲۸۴
حق محیط از شش جہت باشد ہنوز آگہ نیم   تا مقابل با کہ ایم و با کہ ہمدوشیم ما
کیستیم و از کجا شد اتفاق آمدن   ما نمیدانیم انشا خود فراموشیم ما
چناں افگند آہم در تزلزل عرش اعظم را   کہ و ہم صور اسرافیل شد عیسی مریم را
وارستگی نگر کہ مقید بہ ننگ نیست   ایں جا بسان نکہت گل ہیچ رنگ نیست   ص ۲۸۷
گام نخستیں و جستیم از سدرہ بالا تر زند   سوزد فروغ نور اگر جبریل آنجا پر زند   ص ۲۸۳
از بہر قطع ساختن از ما سوائے دوست   چوں لائے نفی صورت مقراض عالیم   ص ۲۹۵

(۲۶۸) آزاد کا بیان ہے کہ انشا نے غزل ذیل: "اک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے الخ" اس مشاعرۂ دلی میں پڑھی تھی جس کا ذکر آب ص ۲۶۴ میں ہے، اس کا حال انھوں نے تقریباً سب کا سب تذکرۂ قاسم سے لیا ہے، لیکن اس غزل کے متعلق اس میں ایک لفظ بھی نہیں۔ کسی دوسرے ذریعے سے بھی آزاد کے قول کی تصدیق نہیں ہوتی۔

(۲۶۹) مقتیل کے رقعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۲۵ھ میں وہ (انشا) موقوف ہو کر خانہ نشین ہوئے تھے، مگر معلوم نہیں ہوتا کہ یہی آخری خانہ نشینی تھی یا اس کے بعد پھر بھی بحال ہوئے تھے" آب ص ۲۶۹ موقوفی کا صحیح سنہ میرے اس مقالے میں ہے جو "کچھ انشا کے بارے میں" کے عنوان سے نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے۔ برطرفی کے بعد بحالی کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔

(۲۷۰) "راقم کے پاس جوان (مصحفی) کے دیوان ہیں ان میں سے ایک پر دیوان ہفتم لکھا ہے اور ایک دیوان اور ہے اس میں سید انشا کے جھگڑے بھی ہیں، یہ آٹھواں ہوگا کہ سب سے اخیر ہے" آب ص ۲۱۱ بیشک مصحفی کے آٹھ اردو دیوان ہیں؛ مصحفی و انشا کے معارضے سے متعلق جو اشعار ملتے ہیں وہ دیوان

سوم یا چہارم میں ہیں، اور یہ جھگڑا ۱۲۱۲ھ یا اس سے کچھ قبل ہی ختم ہو گیا تھا۔ مصحفی کا آٹھواں دیوان جس کا ایک نسخہ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں ہے، ان کی زندگی کے آخری ایام کی تصنیف ہے، اور اس میں غالباً ۱۲۳۶ھ کے بعد کے اشعار ہیں۔ انشا اس کے قبل ہی فوت ہو چکے تھے، اور اس کا مصحفی و انشا کے جھگڑوں سے کچھ سروکار نہیں۔ آزاد کا قیاس کہ جو دیوان (دیوان ہفتم کے علاوہ) ان کے پاس تھا اور جس میں "انشا کے جھگڑے" ہیں وہ دیوان ہشتم ہوگا، داد طلب ہے۔ جسے وہ آٹھواں دیوان سمجھتے تھے، فی الواقع دیوان سوم ہے اور اس کی غزلیں آب میں موجود ہیں۔

(۲۷۱) "یہ سمجھ لو کہ جن الفاظ پر ہم لوگوں کے بہت کان کھڑے ہوتے ہیں، یہی ان کے اوائل عمر یا جوانی کے کلام میں، منشی احمد حسن .. میر .. کے شاگرد رشید تھے، ان کی زبانی ڈپٹی کلب حسین خاں .. فرماتے تھے کہ اکثر الفاظ جو میر .. پہلے دوسرے دیوان میں کہہ گئے ہیں وہ چوتھے پانچویں میں نہیں ہیں، جو دوسرے تیسرے میں ہیں وہ پانچویں چھٹے میں نہیں، بہر حال اخیر عمر میں ان کی زبان کا وہ انداز ہوگا جو کہ .. انشا مصحفی جرات کی زبان کا ہے" آب ص ۱۳۶ احمد حسن نام کے کسی شاگرد میر کا نام تذکروں میں نہیں ملتا، لطف یہ کہ انھیں شاگرد رشید کہتے ہیں اور تخلص تک نہیں بتاتے۔ مختلف دواوین کی زبان میں اختلاف کی نسبت ذاتی تحقیقات کے نتائج پیش کرنے تھے ایک مجہول الاحوال شخص کی رائے درج کرنا لاحاصل ہے۔

(۲۷۲) "خان آرزو وہی شخص ہیں جن کے دامن تربیت سے ایسے شایستہ فرزند پرورش پا کر اٹھے جو .. اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے .. یعنی مرزا جانجاناں، مرزا رفیع، میر تقی، خواجہ میر درد وغیرہ" ص ۱۲۱ اس موقع پر مجھے صرف مظہر سے بحث ہے، وہ ہرگز ان لوگوں میں شمار نہیں کیے جا سکتے جو آرزو کی آغوش تربیت میں پلے ہیں، آرزو مجمع النفائس (م) میں ان کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں: "جانجاناں، مظہر تخلص، آنچہ از زبانش مسموع شدہ آنست کہ نام اصلی جانجاں است، والدش محمد جان نام داشت، نظر بر آں بجان جاناں موسوم گردانیدہ، حالا بجانجاناں شہرت گرفتہ۔ از عنفوان (کذا) کہ والدش ودیعت حیات سپردہ بفقر و فنا مشغول است، چنانچہ در خدمت بزرگے از سلسلۂ نقشبندیہ داخل طریقہ گشتہ، بعد ازاں کسب فضائل صوری و معنوی نمودہ، الحال کہ عمرش بہ پنجاہ (ایک لفظ غائب) ہمیشہ در استحکام مراتب صوفی گری ساعیست، بایں ہمہ از شور عشق ظاہری گاہے خالی نبود، باوجود تقید مذہب کمال توسع مشرب دارد۔ در دقت فہم و ذکائے طبع یکتائے لیل و نہار بلکہ بے مثل روزگار است حدت طبیعت و جودت برتہ دارد کہ بمصداق ایں مصرع است "کہ سخن نگفتہ باشی سخن رسیدہ باشی" از ابتدائے نو مشقی با فقیر کمال اخلاص و ارتباط بود۔ بیشتر گاہ گاہ ریختہ کہ شعر آمیختہ ہندی و فارسی است، بطریقہ خاصہ می گفت، حالا اختلاف زبانی خود دانستہ ترک گفتہ

بعضے از تلامذۂ خود را تربیت بسیار کردہ حتی کہ بعضے میگویند خود گفتہ داد، واللہ اعلم۔ ہر چند شعر دون مرتبہ " اوست در نیولا انتخاب اشعارش نوشتہ می شود" اگر آرزو کو مظہر کی تربیت میں دخل ہوتا تو وہ اس کا ذکر ضرور کرتے۔ وہ "نیکی کن و بدریا انداز" کے قائل نہیں، خوش گو کے متعلق اسی کتاب میں لکھتے ہیں: "ایں عاجز ہم در تربیت او تقصیر از خود را نمی نشدہ و نیست" پیام اکبر آبادی غالباً ان کی شاگردی کے منکر تھے، آرزو ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں: "در اکبر آباد با فقیر خیلے محشور بود باہم بے نشستیم و شوی گفتیم۔ در ہی ضمن اگر امداد بے ہم ازیں عاجز بظہور میرسید دور نبود، و یک دو سالہ دیگر (کذا) نیز پیش فقیر خواندہ بجمیع) تنبیہ الغافلین میں مظہر نے ضمنی طور پر اپنے ریختہ گو تلامذہ آبرو، مضمون و یک رنگ کا ذکر کیا ہے، مظہر ان میں بھی شامل نہیں، (قول فیصل صـ)

(۳۷۳) "مصحفی نے بڑھاپے میں پھر شادی کی تھی" انشا نے اپنی ہجو میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے آب صـ ۳۱۱ بڑھاپے کی شادی کا ثبوت موجود نہیں، یہ بات خود مصحفی کے بیان سے جو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی کتاب (متعلق مصحفی) میں نقل ہوا ہے ثابت ہے کہ جس زمانے میں مصحفی و انشا میں جھگڑا ہوا ہے، اس سے بہت قبل ان کی زوجہ کی وفات ہو چکی تھی اور اس وقت تک انھوں نے کوئی دوسری شادی نہیں کی تھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ معارضے کے وقت مصحفی کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔

(۳۷۴) شجاع الدولہ نے سودا کو طلب کیا تھا تو خط میں "برادر من مشفق مہربان من" لکھا تھا آب صـ ۱۶۵۔ ہوا خواہان مکین جوک میں سودا کو ذلیل کرنا چاہتے تھے کہ سعادت علی خاں کی سواری آ نکلی اور وہ اپنے ساتھ ہاتھی پر بٹھا کر لے گئے۔ "آصف الدولہ حرم سرا میں دسترخوان پر تھے، سعادت علی خاں اندر گئے اور کہا کہ بھائی صاحب، بڑا غضب ہے، آپ کی حکومت اور شہر میں یہ قیامت! آصف الدولہ نے کہا کیوں خیر باشد، انھوں نے کہا کہ مرزا رفیع جس کو باوا جان نے برادر من اور مشفق مہربان کہہ کر خط لکھا، آرزوئیں کر کے بلایا اور وہ نہ آیا آج وہ یہاں .. ہے اور اس حالت میں .. کہ اگر اس وقت میں نہ پہنچتا تو شہر کے بدمعاشوں نے اس .. کو بے حرمت کر ڈالا تھا" صـ ۱۶۷ یہ بات کہیں سے ثابت نہیں کہ شجاع الدولہ نے سودا کو خط لکھا تھا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ القاب مذکورہ کا ثبوت ہے یا نہیں۔ سعادت علی خاں اور آصف الدولہ کی گفتگو آزاد کے اختراعات سے ہے ("سودا اور مکین" معاصر ا صـ ۴۲) نزاع سودا و مکین کے قبل ہی سے سودا اودھ کے درباری شاعر تھے۔

(۳۷۵) احمد بخش خاں، الٰہی بخش خاں، معروف کے برادر بزرگ اور سرپرست تھے لیکن آزاد نے ان کی آپس کی گفتگو اس طرح لکھی ہے کہ یہ گمان ہوتا ہے وہ معروف ہی کو عمر میں بڑا سمجھتے تھے۔ احمد بخش خاں

کہتے ہیں: "یہ لوگ اس طرح کا بوجھ اٹھائیں تو چھاتی ترق جائے" چھوٹے بھائی مسکرا کر بولے کہ "ہاں تو آپ کی چھاتی میں بھی آیا ہوگا" بڑے بھائی نے "شرما کر آنکھیں نیچی کرلیں۔ پھر چھوٹے بھائی نے اس طرح نصیحت کی "آخر امیر زادے ہو، خاندان کا نام ہے سبھی کرتے ہیں، مگر اس طرح نہیں کہا کرتے" اس گفتگو کے متعلق آزاد نے لکھا ہے کہ اس طرح باتیں کرتے تھے، جس طرح بچے بزرگوں سے کرتے ہیں۔ آب ص۱۴۹۔ یہ مسلمات سے ہے کہ احمد بخش خاں عمر میں بڑے تھے اور معروف ان کے وظیفہ خوار تھے۔ بڑے چھوٹے بھائی میں اس قسم کی گفتگو جیسی آب میں درج ہے، حد درجہ خلاف قیاس ہے۔ واضح رہے کہ معروف ان اشخاص میں بھی نہ تھے، جو بالکل تارک دنیا ہو گئے ہوں اور جن کی ولایت ان کے معاصرین میں مسلم ہو۔

(۲۷۶) سودا اور شاہ عالم کے تعلقات منقطع ہوئے تو سودا نے مخمس شہر آشوب" کہا میں آج یہ سودا سے کیوں ہے ڈانواں ڈول" کہا بید رد ظاہر بین کہتے ہیں کہ بادشاہ اور دربار۔۔ کی ہجو ہے غور سے دیکھو تو۔۔ اپنے وطن کا مرثیہ کہا ہے" آب ص۱۵۰ سودا کے مربی عماد الملک تھے جن کے تعلقات شاہ عالم سے ان کے زمانۂ ولیعہدی میں اچھے نہ تھے اور یہ انھیں کے ڈر سے دہلی سے بھاگ گئے تھے۔ نظم زیر بحث کا کچھ تعلق شاہ عالم سے نہیں، عالمگیر ثانی کے عہد میں لکھی گئی ہے۔ اس کی شان نزول جو آزاد نے بتائی ہے، فرضی ہے۔

(۲۷۷) تصنیف مخمس (۲۷۶) کے ذکر کے بعد: "مرزا دل شکستہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ قدرداں موجود تھے کچھ پروانہ ہوئی، ان میں اکثر رؤسا و امرا خصوصاً مہربان خاں اور بسنت خاں خواجہ سرا تھے وہی بسنت خاں جن کی تعریف میں قصیدہ کہا ہے: "کل حرص نام شخصے سودا پہ مہرباں ہوالخ" ان لوگوں کی بدولت ایسی فارغ البالی سے گزرتی تھی کہ ان کے کلام کا شہرہ۔۔ شجاع الدولہ نے لکھنؤ میں سنا تو کمال اشتیاق سے" برادر من مشفق مہربان من" لکھ کر خط مع خرچ سفر بھیجا" آب ص۱۵۰ بسنت خاں خواجہ سرا شاہ عالم کے عہد سے قبل کے امرا میں ہے۔ مہربان خاں فرخ آباد میں احمد خاں بنگش کے یہاں ایک بڑے عہدے پر ملازم تھے اور جیسا کہ تذکرۂ قائم (ترجمۂ مہربان خاں رند) سے ثابت ہے سودا عماد الملک کی معیت میں فرخ آباد گئے تو وہاں ان سے توسل پیدا ہوا۔ سودا و عماد الملک کے تعلقات سے آزاد قطعاً بیخبر ہیں اور یہی حال بعض دوسرے مربیان دہلی کا ہے، حالانکہ کلیات مطبوعہ کا سرسری مطالعہ بھی ان کے علم کے لیے کافی ہوتا۔

(۲۷۸) شجاع الدولہ نے سودا کو طلب کیا (۲۷۷) تو انھیں دہلی چھوڑنا گوارا نہ ہوا" جواب میں فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا:

سودا پے دنیا تو بہر سو کب تک — آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے — بالفرض ہوا یہ بھی تو پھر تو کب تک"

دہلی کے قدرداں مرگئے تو "چند روز" فرخ آباد جاکر رہے، وہاں سے شجاع الدولہ کے پاس گئے۔ وہ بہت اعزاز سے ملے، لیکن بے تکلفی سے یا طنزاً رباعی مذکور کا ذکر کیا اور اسے پڑھا۔ "سودا پاس وضعداری پھر دربار نہ گئے، یہاں تک کہ شجاع الدولہ مر گئے۔" ص۱۵۱

(الف) ناصر کہتا ہے کہ سودا فرخ آباد میں تھے کہ "شقۂ خاص" طلب میں پہنچا، سودا نے رباعی "سودا پے دنیا الخ" لکھ کر بھیج دی، جس سے شجاع الدولہ گراں خاطر ہوئے۔ میری رائے میں اس رباعی کا شجاع الدولہ سے تعلق مطلقاً ثابت نہیں اور نہ اس کی سند موجود ہے کہ شجاع الدولہ نے دہلی یا فرخ آباد سے سودا کو طلب کیا تھا، مگر فرخ آباد سے بلوانا بعید از قیاس نہیں۔ (ب) ناصر لکھتا ہے کہ ضاحک نے سودا کے قصیدے کو اس طرح الٹا کہ ان کی ہجو ہوگیا، اسے سن کر سودا فیض آباد پہنچے۔ (ان دونوں میں کیا گذری یہ میرے مقالے "میر ضاحک دہلوی" میں درج ہے)۔ شجاع الدولہ گراں خاطر تھے مگر اس کے باوجود بمقتضائے جوہر شناسی اچھی طرح پیش آئے۔ فیض آباد جانے کی یہ وجہ شایان پذیرائی نہیں۔ فرخ آباد میں قدردانی کا سامان نہ رہا یا کم ہو گیا تو سودا بطلب یا بےطلب فیض آباد گئے اور شجاع الدولہ کے درباری شاعر ہوئے۔ مدحیہ نظمیں متعدد کلیات میں موجود ہیں۔ آزاد کا بیان غلط محض ہے۔

(۷۹) آزاد کو اس پر تعجب ہے کہ مجموعۂ نغز (تالیف لکھنؤ) میں سودا کا عالم شباب میں وارد لکھنؤ ہونا مذکور ہے آب ص۱۵۲۔ حیرت اس پر ہے کہ آزاد کو اس کی خبر نہیں کہ صاحب مجموعۂ نغز سے بہت پہلے شیفتہ دہلوی یہی لکھ چکے ہیں (گلشن بیخار ص۔۔)، اس سے قطع نظر یہ واقعی غلط ہے کہ عالم شباب میں لکھنؤ پہنچے۔

(۸۰) "تذکرہ شعرائے اردو کا۔۔ نایاب ہے" آب ص۱۵۲ "تعجب ہے کہ۔۔ سودا نے ان کے اشعار۔۔ کو سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے" ص۶۲، اور ص۱۳۲ میں مرقوم ہے کہ تذکرۂ سودا میں" اس زلف سیہ فام کی" آرزو سے منسوب ہے۔

(الف) "نایاب" اگر "ناپید" کے معنی میں ہے تو آزاد کو یہ بتانا تھا کہ تذکرۂ سودا کے وجود کا علم کس طرح ہوا اور وہ باتیں جو اس کے حوالے سے لکھی ہیں انھیں کہاں ملیں۔ اگر اس سے "کمیاب" مراد ہے تو یہ اطلاع دینی ضرور تھی کہ کہاں ہے تاکہ دوسرے بھی اس سے مستفید ہو سکیں (ب) حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں انھیں تذکرۂ قاسم میں ملیں، لیکن نہ معلوم کس وجہ سے انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا (ج)، قاسم نے کسی جگہ صراحۃً یہ نہیں لکھا کہ تذکرۂ سودا میری نظر سے گزرا ہے اور صرف دو جگہ (وہی باتیں جو آب میں ہیں) اس کا حوالہ دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ تذکرہ وجود خارجی سے محروم ہے۔

(۲۸۱) نکات الشعرا شائق شعر کے لیے بہت مفید ہے اس میں شعرائے اردو کی بہت سی باتیں اس زمانے کے لوگوں کے لیے دیکھنے کے قابل ہیں مگر وہاں بھی اپنا انداز قائم ہے۔ دیباچے میں فرماتے ہیں کہ یہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے (عبارت حاشیہ "یہ بھی میر۔۔ کا دعویٰ ہے ورنہ اس سے پہلے بھی تذکرے مرتب ہو چکے ہیں") اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا، مگر ان کو نہ لوں گا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔ ولی۔۔ کے حق میں فرماتے ہیں "وے شاعریست از شیطان مشہورتر" (اس کے بعد کتر ین کے رد عمل کا ذکر) آب ص۲۱۱

(الف) یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ ادبیات اردو کا مورخ ایسے تذکروں سے واقف ہو جو نکات سے قبل مرتب ہو چکے تھے، اور ان کا نام نہ بتائے (ب) ولی کے متعلق جو بات لکھی ہے وہ نکات کے خطی اور مطبوعہ نسخوں میں جو میری نظر سے گزرے ہیں یا جن سے متعلق میں نے معلومات فراہم کیے ہیں، نہیں ہے، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آزاد نے تذکرۂ قاسم سے لی ہے۔ قاسم نکات کے متعلق بھی صراحۃً نہیں لکھتا کہ میں نے اسے دیکھا ہے، اور کہیں اور اس کا حوالہ نہیں دیتا۔ قریب بہ یقین ہے کہ خود اس نے اس کا مطالعہ نہیں کیا اور سنی سنائی بات سپرد قلم کر دی ہے، مگر اس کا امکان ہے کہ میر نے ولی کے بارے میں یہ لکھا ہو کہ "وے شاعریست از شیطان مشہورتر" اور لوگوں کو برا معلوم ہوا تو انھوں نے اسے تذکرے سے خارج کر دیا۔ (ج) نکات کے موجودہ نسخوں میں کم و بیش ۔۔۔ ا شاعروں کا ذکر ہے، لیکن آزاد ہزار لکھتے ہیں اور خود میر کا قول (اپنے الفاظ میں) اس سلسلے میں نقل کرتے ہیں، حالانکہ میر نے کوئی ایسی بات سپرد قلم نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ آزاد نے یہ بات کہ نکات میں تقریباً ۔۔۔ ا شاعروں کا ذکر ہے فہرست اشپرنگر ص۱۸۰ میں دیکھی اور اس پر قناعت نہ کر کے ۔۔۔ ا کو ۱۰ سے ضرب دے کر حاصل ضرب پیش کر دیا۔ یہ بات انھیں نہ سوجھی کہ احمد شاہی عہد میں (زمانۂ تصنیف نکات میں) اردو کے ہزار شاعر کہاں سے آتے۔ "مگر ان کو۔۔ پریشان ہو" نکات کی عبارت: "مطبع نقص معروف اینہم نیست که از احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد" (فہرست اشپرنگر ص۱۷۶) مگر یہ عبارت شعرائے دکن سے متعلق ہے (د) "ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا" حد درجہ عمیر ذمہ دارانہ بیان ہے۔

(۲۸۲) "اہلی شیرازی کے شعر پر مصرع لگا کر مثلث کا ایجاد اپنی زبان میں دکھاتی ہیں۔" آب ص۲۳۲ اس کے بعد اس شعر کی تضمین "امروز یقین شد که نداری سر اہلی الخ" اور اس کے مابعد یہ مثلث: کیا کہوں میں عاشق و معشوق کا راز و نیاز "ناقہ را میراند لیلی سوئے خلوت گاہ و ناز ساربان در رہ حدی می خواند و مجنوں می گریست" کلیات ولی طبع ص۹۴۵ اور ص۲۸۹ میں مثلث موجود ہے۔ میر کے ہمعصر میر ضیاء دہلوی، استاد میر حسن کا ایک مثلث میں نے دیکھا ہے جو ان کے دیوان میں جو میں مرتب کر رہا ہوں ملے گا۔ "ناقہ را میراند الخ" اہلی نہیں، جامی کا شعر ہے (دیوان م د)

(۲۸۳) "ایک رسالہ خود اس کی تصنیف سے میرے ہاتھ آیا۔ سب کے کلام لغو سمجھ کر اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ یہ ۔۔ بدخشاں میں دیکھا گیا۔۔ تاریخ ہفت اقلیم میں بھی خلاصہ اس کا مندرج ہے" نگار ص۲۷۔

آزاد نے جس رسالے کا خلاصہ پیش کیا ہے وہ محض جعلی ہے (مقدمۂ دیوان ناصر خسرو طبع جدید ص نے و تاریخ ادبیات جلد ۲ از براون)۔ یہ رسالہ آتش کدۂ آذر میں بھی نقل ہوا ہے جو ہندوستان میں پہلی بار ۔۔۔ میں چھپا تھا۔ ہفت اقلیم تاریخ کی کتاب نہیں۔

(۲۸۴) بلغار (روس) میں گذر ہوا، سفر میں نہایت تکلیف اٹھائی چنانچہ اس قطعے سے کہ شاعرانہ ہے مگر اشارہ اس کا پایا جاتا ہے:

همه جور من از بلغاریانست — که یادام همی باید کشیدن
گنه بلغاریان را نیز هم نیست — بگویم گر تو بتوانی شنیدن
خدایا این بلا و فتنه از تست — ولیکن کس نمی آرد چخیدن
همی آرند ترکان را ز بلغار — ز بهر پردهٔ مردم دریدن
لب و دندان آن خوبان چون ماه — بدین خوبی نبایست آفریدن
که از عشق لب و دندان ایشان — بدندان هم نمی باید گزیدن

اس سے میں قسط ۴ میں بحث کروں گا کہ ناصر خسرو بلغار گیا تھا یا نہیں، اس موقع پر یہ دکھانا ہے کہ اس قطعے سے ہرگز یہ ثابت نہیں کہ وہاں گیا تھا اور سفر میں تکلیف اٹھائی تھی۔ وہ حسینان بلغار کی وجہ سے اس کے دل پر جو گزری تھی، اس کا ذکر کر رہا ہے اور یہ حسین وہ ہیں جو بلغار سے ایران لائے گئے ہیں۔

(۲۸۵) "صاحب آتش کدہ صاف اس (عرفی) کے کلام کو برا کہتا ہے اور ناپسند کرتا ہے اور اس پر سند آ چند شعر مثنوی کے درج کیے ہیں" نگار ص۹۹ آذر کی رائے یہ ہے: "در مراتب کمالات گوے سبقت از معاصرین ربودہ دیوانش بنظر رسیدہ، ہر چند که طریقہ تازہ که خارج از طریقۂ شعرائے ما سبق بودہ اختیار کردہ اما واقعاً بسیار خیالات خوب و عبارات مطلوب دارد۔ در باب استعارہ اصرار بسیار دارد بجدیکہ گاہ از معنی مقصود محاقل می شود۔ از آنجملہ مثنوی در برابر مخزن الاسرار بسیار بد گفتہ۔۔ مثنوی ناتمامے در خسرو شیرین دارد اگر عیب استعارۂ خشک بسیار نداشت، بد نگفتہ بود۔ قدرے معقول از آنجا نوشتہ شد و قصائد و غزل و رباعی نیز آنچہ بطریق استادان صاحب فن بود نوشتہ می شود" (آتش کدہ طبع کلکتہ ص۲۶۵)

(۲۸۶) محاورات عربی کے فارسی تراجم کے ذیل "چشم بریدہ از آں" بھی ہے سخن ص۲۴۴ یہ ممکن ہے صحیح ہو، لیکن جب ساسان پنجم کی عبارت میں "بزش دید" موجود ہے، تو آزاد کو جو اسے معاصر خسرو پرویز سمجھتے ہیں یہ کہنے کا حق نہیں۔

(۲۸۷) "۔۔ کوئی نہیں کہتا کہ میں نے اس (رودکی) کا دیوان دیکھا۔۔ ایران۔۔ میں جہاں دیکھا وہاں چند معمولی قصیدوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان میں بھی بعض قصیدے قطران کے ہیں" (سخن ص۲۶۶)۔ میرا خیال ہے کہ دیوان رودکی

ایران میں سخن کی اشاعت سے پیشتر معرض طبع میں آچکا تھا۔ بہرحال، مجمع الفصحا میں اس کا ذکر ہے اور یہ آزاد کے ماخذ میں سے ہے۔ مطبوعہ نسخے اور ان خطی نسخوں کا جو ملتے ہیں یہ حال ہے کہ اس میں بعض نہیں، تقریباً کل قصائد قطران کے ہیں۔ رودکی کا بہت کم کلام اس میں ہے۔ اس سے مفصل بحث سرڈینی سن کے ایک مقالے اور احوال و اشعار رودکی مصنفۂ آقائے سعید نفیسی میں ہے۔

(۲۸۸) جرات "۱۲۱۵ھ میں لکھنؤ پہنچے" اور سلیمان شکوہ کے ملازم ہوئے۔ آب ص ۲۳۷۔ جرات ۱۱۹۸ھ میں جب مصحفی وارد لکھنؤ ہوئے ہیں، وہاں موجود تھے ("مصحفی و جرأت" از راقم، معاصر حصۂ ۲) اور مصحفی کے تذکرۂ ہندی کی تکمیل (اس کا زمانہ ۱۲۰۹ھ) سے پیشتر سلیمان شکوہ کے نوکر ہو چکے تھے۔

(۲۸۹) ایک شخص نے جو ایران سے تازہ وارد آیا تھا، شاہ عباس کی عمارت اور عباس کی تعریف میں صائب کے قصیدے کا ذکر کیا جس میں یہ شعر ہے۔

چوں لباس غنچہ تنگی می کند بر دوش گل | بر شکوہ ایں عمارت پرنیان آسماں

فطرت نے اس کے سامنے اس کی قباحت ظاہر کی، "سرخوش جس نے اس کی صحبت سے شاگردوں کی طرح فیض پایا تھا، کہا کہ "چوں لباس غنچہ ناشگفتہ تنگی می کند الخ" میر نے سن کر کہا کہ اب ٹھیک ہوا" نگار ص ۱۴۳ سرخوش نے کلمات الشعرا میں لکھا ہے کہ فطرت نے صائب کے سامنے مصرع اگا قبح دکھایا اور وہ "تامل بسیار" کے بعد قائل ہو گئے تھے (ص ۹۸) کلمات میں یہ نہیں کہ عمارت کس کی تھی اور کسی شخص نے جو ایران سے آیا تھا فطرت کے سامنے یہ شعر پڑھا تھا۔ کلمات میں یہ بھی نہیں کہ شعر جس نظم کا ہے وہ قصیدہ ہے یا قطعہ۔

(۲۹۰) میر عبدالولی (ع۔و۔ل) سوزنی کو میر عبدالولی، سوزنی لکھا ہے نگار ص ۱۸۰

(۲۹۱) انوری کے قصیدے "گر دل و دست بحر و کاں باشد الخ" کی یہ شان نزول لکھی ہے کہ عالم و فاضل تھا، لیکن نان شبینہ کا محتاج، "شاعر بادشاہی" کا جاہ و حشم دیکھ کر یہ قصیدہ لکھا اور کسی طرح بادشاہ کو سنایا نگار ص ۱۴۳، لیکن اس قصیدے میں یہ اشعار موجود ہیں جو اس شان نزول کی تردید کرتے ہیں:

"خسرو بندہ را چہاردہ سال است | کہ بے آرزوئے آں باشد
کز ندیمان مجلس ار نشود | از مقیمان آستاں باشد"

کلیات انوری (م ۷۶ھ) میں یہ اشعار ورق ۲ یا ۳ میں ہیں؛ اور اس معاملے سے براؤن کی تاریخ جلد ۲ اور تنقید شعر العجم مصنفۂ شیرانی میں بھی بحث کی گئی ہے۔

(۲۹۲) خسرو کی "خالق باری جس کا اختصار آج تک بچوں کا وظیفہ ہے کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی" آب ص ۱۸ یہ بات کسی اور نے نہیں کہی اور اس میں بہت بڑا مبالغہ ہے۔

(۲۹۳) آب ص ۲۵ میں جرات کی ایک غزل ہے جس کی ردیف "آئے" اور قوافی یار، مزار وغیرہ ہیں، حاشیے میں اس

پر اعتراض ہے کہ "آنے کہیں واحد ہے کہیں جمع ہو گیا ہے" یہ ردیف کا عیب کسی اور کو معلوم نہیں، آزاد کا اختراعات سے ہے۔

(۱۹۴) آئینہ رخ کو ترے اہل صفا کہتے ہیں ۔ اس پہ دل اٹکے ہے میرا اسے کیا کہتے ہیں

جرات کا یہ شعر آب ص۲۴۲ میں ہے اور مصرع ثانی میں لفظ اس پہ لہ مرقوم ہے۔ حاشیے میں یہ عبارت درج ہے کہ "میرے شفیق قدیم حافظ ویران فرماتے ہیں" ویران کیا فرماتے ہیں اس کا کچھ پتا اس عبارت سے نہیں چلتا اشاعت ا ص۲۵۸ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں مصرع اول کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "پہلا مصرع یاد نہیں اور دوسرا بھولتا نہیں" اشاعت ۲ کے حاشیے میں جو عبارت ہے اس سے کسی طرح یہ اطلاع نہیں مل سکتی کہ مصرع اول آزاد کو ویران سے حاصل ہوا، یہ بھی میرا قیاس ہے، کوئی قطعی بات نہیں کہ آزاد یہ اطلاع دینی چاہتے تھے۔

(۱۹۵) "تاباں مزاجدان تھے اشعار اور لطائف کہتے۔ حضرت سن کر خوش ہوتے۔ کوئی بات سب کے سامنے کہنی خلاف ادب ہوتی۔ دست بستہ عرض کرتے کچھ اور بھی عرض کیا چاہتا ہوں، حضرت مسکرا کر اجازت دیتے، وہ کان کے پاس منہ لے جاتے اور چٹکلے چپکے چپکے ایسے گستاخانہ کہتے کہ سوا اس پیارے عزیز کے کوئی نہیں کہہ سکتا جسے بزرگوں کی محبت نے گستاخ کر دیا ہو۔ پس حضرت مسکراتے اور فرماتے کہ درست ہے، پھر وہ اسی قسم کی کچھ اور باتیں کہتے، آپ پھر فرماتے یہ بالکل درست ہے جب تاباں اپنی جگہ پر آ بیٹھتے تو پھر حضرت خود کہتے کہ ایک بات کا تمھیں خیال نہیں رہا، تاباں پھر کان کے پاس منہ لے جاتے اس وقت اس سے بھی تیز تر کوئی لطیفہ آپ اپنے حق میں کہتے اور اپنے پیارے عزیز کی ہمزبانی کا لطف حاصل کرتے" آب ص۱۳۹ (آزاد نے اس کے متعلق وہ حاشیہ لکھا ہے جس سے ۔۔۔ میں بحث کی گئی ہے۔)

(الف) دیوان تاباں میں مظہر سے عقیدت کا کسی جگہ اظہار نہیں، ان کی دو فارسی غزلوں کو تاباں نے مخمس البتہ کیا ہے جو دیوان میں موجود ہیں۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ ابتدا میں تاباں و مظہر کے گہرے تعلقات تھے لیکن تاباں نے حشمت کی توصیف ایسے انداز میں کی ہے کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ دونوں کے تعلقات منقطع ہو گئے تھے:

"کاملوں میں جن کے نہیں کچھ قصور	دے سب طفل مکتب ہیں اس کے حضور"	ص۲۵۸
"کرے فقر کا اس کے گر قیل و قال	تو شبلی و عطار کی نہیں مجال"	ص۲۵۹
"کسی کو کہاں اس سے ہے برتری	کہ ہے نام اس کا محمد علی"	ص۲۶۰
"کوئی آج اس کے برابر نہیں	وہ سب کچھ ہے الّا پیمبر نہیں"	
زیادہ کہوں وصف میں اس کا کیا	بصورت ہے انساں بمعنی خدا"	

"کوئی آج الخ" درد مند کا شعر ہے جس کی تاباں نے تضمین کی ہے، درد مند کا شعر جو اس کے ساقی نامہ میں ہے، مدح مظہر میں ہے۔ اسے حشمت کی تعریف میں صرف کرنا بے سبب نہیں ہو سکتا تاباں کے اشعار ذیل بھی قابل توجہ ہیں

یہ جو پیدا ہوا ہے آج فقیروں کے بیچ	کل گنیں گے حمقا ان ہی کو پیروں کے بیچ	
ذکر یا ہے نہیں آپ کو گنتا کچھ کم	ذکر ارّہ جسے آتا ہے فقیروں کے بیچ	ص۲۵۴
شیخ دل میں کرے ہے منکے پیوں کا حساب	نام کو تس پہ لکھتا ہے لکیروں کے بیچ	
کہتا ہے نماز پڑھ کے کوئی دل خواہ	ہو کوئی مرید صاحب حشمت و جاہ	ص۲۰۳
بیٹھا ہے اسی فکر میں لے کر تسبیح	کیا شیخ کی اوقات ہے سبحان اللہ	

(ب) آزاد نے جو جزئیات بیان کیے ہیں، اختراعی ہیں، ان کے پاس کوئی ذریعہ ان کو معلوم کرنے کا نہ تھا۔

(۲۹۶) آزاد کے اس بیان کا کہ مہر نیمروز کے کچھ اجزا بہادر شاہ کی طرف سے تاریخ نویسی پر تقرر کے قبل ہی لکھے گئے تھے آب ص۵۲ کوئی ثبوت موجود نہیں، اور یہ غلط ہے۔

(۲۹۷) سعدی کی گلستان کے متعلق مومن نے جو تنقیص آمیز رائے صدر الدین خاں کے یہاں ظاہر کی تھی، اس کا جواب احمد الدین نے دیا تھا آب ص۴۲۶ ظہور علی، ظہور دہلوی جو مومن اور بعض دیگر اساتذۂ دہلی سے تلمذ رکھتے تھے، صاحب دیوان مطبوعہ ہیں؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود مومن کے یہاں گزرا تھا اور احمد الدین نہیں، ظہور نے یہ بات کہی تھی کہ قرآن میں بھی تو قال قال کے سوا کچھ نہیں۔

(۲۹۸) جرات کے متعلق میر کا فقرہ بحوالۂ تذکرۂ قاسم آب ص۲۴۱ میں منقول ہے۔ قاسم نے "چوما چاٹا" لکھا تھا آزاد نے اس پر اصلاح دے کر "چوما چاٹی" بنا دیا ہے۔

(۲۹۹) "مرزائی صاحب جن کے پاس شیخ صاحب کے زر کی امانت رہے تھے، ایک امیر شرفائے لکھنؤ میں سے تھے" آب ص۳۷۱ مرزائی صاحب کا شمار امرائے لکھنؤ میں نہ تھا۔ ناصر نے ان کی خوبصورتی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کم سن تھے کہ ناسخ ان پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ ایک بار ناسخ سے قرض مانگا لکھ کر بھیج دیا: "

"چہ پروا از زر و دینار داری — کہ دار الضرب در شلوار داری"

(شائق کے بعض اشعار ناصر نے نقل کیے ہیں، جو ناسخ کی محبت کو بہت برے رنگ میں پیش کرتے ہیں) ناسخ نے انھیں محسن الدولہ کی داروغگی (مشاہرہ تقریباً سو روپے) دلوادی تو یہ بڑی بدگمانی کا موجب ہوا اور یہ لکھنؤ میں معشوق ناسخ مشہور ہو گئے۔ "تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا" اوائل عہد نصیر الدین حیدر میں یہ برطرف ہوئے۔ ناسخ نے انھیں چند قطعہ مکانات اور دکانیں خرید کر دیدی تھیں ان کی بسر اوقات زیادہ تر کرایہ حاشیہ میں انھیں سے تھی (تذکرۂ ناصر حاشیۂ ترجمۂ میر امام، شائق)۔ تواریخ اودھ جلد ۱ مصنفہ کمال الدین حیدر ص۲۴۸ میں ہے کہ مرزائی صاحب کا مشاہرہ ۲۰۰ تھا۔ میری رائے میں جو رقم تذکرۂ ناصر میں ہے، وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ کلیات ناسخ کے بعض قطعات میں ناسخ نے ان کے بیٹے کو "نورِ چشم" کہا ہے۔

(۳۰۰) ناسخ کے غسل صحت کی تاریخ: شود صحت ہمایوں و مبارک ۱۲۳۵ھ آب ص۳۶۸۔ "شود صحت الٰہی" سے ۱۱۸۹ نکلتا ہے۔ قصور ناسخ کا نہیں، آزاد کا ہے جو لفظ "الٰہی" = ۴۶ کو حذف کر گئے (رجوع بکلیات ناسخ ص–)۔

حرفِ آخر

توضیحات و اضافات (۱۹) آبِ اشاعت ثانی میں سودا کی عمر ایک جگہ ستر ۷۰ دوسری جگہ پچھتر مرقوم ہے اشاعت اول میں دونوں جگہ پچھتر ہے ص۱۵۱ و ص۱۴۷ (۴۹) خود درد نے علم الکتاب (م، ص۶۳) میں لکھا ہے کہ ان کا پدری سلسلہ بوساطت خواجۂ نقشبند امام حسن عسکری پر منتہی ہوتا ہے، اور اپنے جد مادری کا نام میر سید محمد حسینی قادری بتایا ہے، (۹۳) آبِ اشاعت اے میں ناسخ و دبیر کا واقعہ یوں مرقوم ہے: "شیخ کا بڑھاپا تھا اور .. ضمیر .. کی مرثیہ گوئی جوانی پر تھی۔ .. دبیر .. ایک مصرع میں استاد کی اصلاح سے ناراض ہوئے، شیخ .. کے پاس جا کر کہا کہ میں نے یہ کہا ہے اور استاد نے اس طرح اصلاح دی ہے۔ شیخ .. نے کہا کہ .. درست بنایا ہے۔ مرزا .. نے فرمایا کہ کتاب میں اس لفظ کے معنی یہی ہیں جو میں عرض کرتا ہوں۔ شیخ .. نے کہا کہ نہیں، جو تمھارے استاد نے بنایا اسی طرح درست ہے۔ مرزا .. نے پھر کہا کہ آپ کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ .. لکڑی لے کر مارنے کو اٹھے اور کہا کہ جتندی لڑکا ہو کر استاد کی تردید میں کتاب دکھاتا ہے۔ ارے کتابیں دیکھتے دیکھتے ہم آپ کتاب ہو گئے ہیں، تو کتاب کو کیا جانے! مرزا .. ڈر کر بھاگے۔ شیخ .. کو اتنا جوش تھا کہ چند قدم تعاقب کیا، مگر وہ نوجوان لڑکے تھے، بھاگ گئے" اھ ص۳۷۴ (۱۳۱) آزاد نے تذکرۂ ہندی دیکھا ہوگا مگر قریب بہ یقین ہے کہ آب کی تصنیف کے وقت ان کے سامنے نہ تھا (۱۳۶) آبِ اشاعت اے میں نشاط کا قطعہ نہیں۔ ص۱۹۱ کے حاشیے میں مسطور ہے کہ "معلم ڈ تاسی ایک تذکرہ نویس فرانس کے ہیں، ان کی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۳ھ ہجری میں فوت ہوئے" د تاسی کی تاریخ ادبیات جلد ۲ ص۳۰ میں یہ ہے کہ انشا کی وفات شورش ۱۸۵۷ء سے پیشتر ہوئی۔ (۱۴۴) دساتیر پر میرا ایک مقالہ جلد شائع ہوگا۔ خود دساتیر کے مطابق آبادیوں کی سلطنت کب تک رہی اس کا صحیح حال اس سے معلوم ہوگا۔ اس کے مطابق جو زمانہ سفرنگ میں ہے وہ کم ہے (۱۷۰) مرتب فرہنگ اسدی طبع ایران نے کتاب کے کل نسخوں کے (جو انھیں ملے) مندرجات کہیں کہیں درج کرنے کا التزام کیا ہے، لیکن "آمد آں رگزن الخ" جو فرہنگ اسدی طبع یورپ میں موجود ہے، مقدم الذکر سے غیر حاضر ہے۔ دیوان مسعود سعد سلمان طبع جدید ص۶۳۷ میں بھی یہ قطعہ ہے۔ (۱۷۳) دیوان ظہیر کی اشاعت کلکتہ صرف ایک بار چھپی، اشاعت ایران کے متعلق میں قطعی طور پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں، اشاعت لکھنؤ ایک سے زیادہ بار طبع ہوئی ہے (۱۹۴) میرا ادعا ہے کہ آزاد ۱۱۹۳ھ کو صحیح سال وفات سمجھے، اور اس صورت میں یہ کہتے ہیں کہ ان کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی جو بیدل کے قریبی زمانے میں نہ تھے، انھیں قباحت محسوس نہ ہوئی۔ وہ ۱۱۳۳ھ کو صحیح سمجھتے تو یہ کہنے کی جرات نہ کرتے (۱۹۶) ڈاکٹر انور کی نظر سے محاکمات الشعرا کے چند ابتدائی اوراق گزرے تھے اور ان کا بیان انھیں پر مبنی ہے (معاصر ا ص۲۹) دیباچے کے بعض حصص کی نقل انھوں نے براہ کرم مجھے بھی بھیجی تھی۔

آزاد بحیثیت محقق

تصحیحات

نقطوں اور علامتوں کے ہلکے پڑنے یا اُڑ جانے سے بعض لفظوں کو پڑھنے میں جو دقت ہو، امید ہے ذہین قاری اس کی تصحیح خود کر لیں گے، تاہم یہ تصحیحات :

بھٹیاری ۱/۱۰ ۴/۱۰ مصدق ۳/۱۰ طعن ۲/۱۱ نام ۳/۱۱ بنا ۷/۱۱ جوانی ۲/۱۲ میں سے ۲/۱۹ شعرا کے اشعار ۳۴/۱ و الہ ۳/۳۵ بھروسا ۴/۳۵ یہ ۳۶/۴ کی لے پالک ۵/۳۶ ضاحک ۴/۳۰ ۱۱/۳۵ ۴/۴۳ ادنیٰ ۳/۴۴ ناگوار ہوا ۵/۴۸ بالاستیعاب ۴/۴۸ ح امونزوں ۵/۴۸ ح کہ ۷/۴۸ ح روسیاہوں ۹/۴۸ ح نام نذیر زاق ۱/۴۹ اختلاف درد ۲/۴۹ کا شاعر ۱/۵۳ جان دار ۱/۵۴ تلمیذ درد ۱/۵۸ چمن میں اس چہرے ۴/۶۲ مثنوی رومی ۲/۶۴ ہم بلے ۵/۶۴ دیتے ہیں ۵/۶۵ طعنہ ۷/۶۵ نہیں ۸/۶۵ بہ برگ ۹/۶۶ اب دینی ۳/۶۹ ہی ۶۹ ب شدہ ۴/۶۹ حاضر ہم ۳۷/۶۹ لیجیے ۵/۷۰ بو بہانہ ۷/۷۰ غزل ہے کو توجہ سے بنایا ۸/۷۰ تنبیہ ۱۰/۷۰ جا بیٹھے ۱۳/۷۰ انعام بخش ۱۸/۷۰ اور رسید ۲۲/۷۰ پہنچایا ۱/۷۱ داد دی ۲/۷۱ گر ریختہ ۳/۷۷ احوال وہیں ۳/۸۰ میں ہے ۳/۸۰ تاریخ ذکیہا دقت ۶/۸۰ قدر سخن ۲/۸۳ عمر نہیں ۵/۸۵ ہرمزد ۱/۸۹ زند در زنخ زمینگ سکرتی ۳/۸۹ الکلف الضات ۸/۹۰ تخلص کے باب ۱۱/۹۱ اسی زمانے ۴/۹۳ یونہیں سہی ۲۳/۹۴ وہاں سے ۲۴/۹۴ میوہ ۳۹/۹۴ پھینکنا ۷/۹۵ پڑھے ۲۲/۹۵ بھی سنا ۶/۹۶ سوتی مرثیہ ۳/۱۰۰ تعیین ۱۰۲ شعر ۳/۱۰۶ تنبیہ ۱۰۶ ب ۶ پڑھیے ۲۱/۱۱۰ سودا ۱/۱۱۱ اکردوں کروں ۱۱۱ الف ۹ کرنے کو جب ۱۱۱ الف ۹ یہ ... مجالس ۲۴/۱۱۳ و بہادر عجم ۱۱/۱۱۴ مادہ ۱/۱۱۶ تردید کے لیے ۲/۱۱۷ بجا بجے تھے پیر سے ۲/۱۱۷ آب در دیدہ ۵/۱۲۶ زمین نہیں کی ۲/۱۲۷ نکل ذکی ۴/۱۳۰ تھے ۶/۱۳۲ ۵/۱۳۵ ۴/۱۳۸ کلکوم داز مقرب ۷/۱۴۱ پھر بدید پر یرد ۹/۱۴۲ زلف ۱۱/۱۴۴ سفورث ۳/۱۴۵ جون الفنسٹن ۳/۱۴۵ ترتیب صحیح ۵/۱۴۸ المعجم ۲/۱۵۲ غایۃ ۴/۱۵۴ بنام دقیقی الکین ۳/۱۶۷ فرخی ۱/۱۷۱ رجوع ۱۳/۱۷۲ م و لا ۱۳/۱۷۲ بیابان ۳/۱۷۳ طویل قصیدہ ۳/۱۷۵ نسخہ ۱/۱۷۸ گزیدا گزدی ۱/۱۸۶ دم تا نو ۳/۱۸۷ شرح کلمات ۸/۱۸۷ منجیم ۱/۱۸۸ وارث ۱۴/۱۸۹ بادیابان ۷/۱۹۹ احساس ۱۴/۱۹۹ قی بیند ۸/۲۰۰ بر ہم زدن ۹/۲۰۰ مقرون ۱۰/۲۰۰ اس لیے ۲/۲۰۳ حیات ۲/۲۰۶ صفت صنعت ۳/۲۱۰ تاریخ نے مرزائی ۲/۲۱۸ زخمی ۱/۲۲۰ ۴/۲۰۱ ۵ دخشو رداں ۴/۲۲۸ کتاب را تدوین کرد ۶/۲۳۱ لکھے جاتے ۱/۲۳۲ آئندہ بحث ۹/۲۴۱ بلاملک ۵/۲۴۹ صنعت طبع ۳/۲۶۴ دست دلت ۴/۲۶۶ گذاری و کاہر ۹/۲۶۶ دیوان میں ۱/۲۷۰ ہے کی ۱۰/۲۷۲ کیں چوک ۳/۲۷۴ ترقی ۳/۲۷۵ آوارہ ۳/۲۷۸

دکھاؤ ۲۸۲/۲ اٹھاؤ + ناقہ : ناز + ساربان : مجنوں می گریست ۲۸۲/۳ تنی آمد ۲۸۴/۴ خوبان ۲۸۴/۶ تنی باید ۲۸۴/۷ اوز در ۲۸۷/۶ جگہ ۲۹۴/۴ اہلی ان ۲۹۵/الف ۴ یعنی ۲۹۵/الف ۸ خلد خلد ۲۹۵/الف ۱۳ نقش نقش ۲۹۵/الف ۱۳

مزید برآں : ایک 'ہ' کی جگہ 'ۂ' کا جابجا استعمال : کاتب صاحب کو ان کی ایک 'ہ' واپس کر دیجیے' مثلاً "تشبیہہ' والہہ وغیرہ۔

اضافہ : ۳/۱۷ باغِ معانی : یہ تذکرہ (بخش معاصرین) خدابخش لائبریری کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۱۰/۴ نگار = نگارستان فارس ۱۵۲/۱ سخندان فارس نمبر ۱۵۲ تا ۱۶۶ نگارستان فارس ۱۶۶ تا ۲۰۰۔ بعد میں آب، سخن، نگار اور دیوان ذوق ملے جلے چلے ہیں۔ ۱۵۲/۲ سخن = سخندان فارس ۱۵۲/۳۔ ۴ "تو..... وہ" قلمزد سمجھا جائے "اشارہ کرنا تھا" کے بعد "کرتی لفظ ہے" اضافہ کیجیے۔ ۱۶۱۔ پورا جملہ قلمزد سمجھا جائے۔ ۱۶۴ دساتیر پر قاضی عبدالودود کا مقالہ نقوش۔ اور خدا بخش لائبریری' جرنل نمبر ۲۰ میں۔ ۲۸۲/۴ – ۵ دیوان ضیا مرتب نہ ہو سکا۔ اب اصل نسخہ کا بھی نشان نہیں ملتا۔ ۲۸۴/۸ قسط ۴ نہیں لکھی گئی۔

••

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن
اسسٹنٹ لائبریرین، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

غزلیاتِ صفیر بلگرامی

'صفیرِ بلبل' کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخوں کا تقابلی مطالعہ

خدا بخش لائبریری میں اردو کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ جس کا ہینڈ لسٹ نمبر ۵۳ ہے۔ اس کے شروع صفحہ پر کتاب کا نام 'صفیرِ بلبل' درج ہے جس سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف 'صفیرِ بلبل' ہی کا ایک نسخہ ہے۔ اس کے علاوہ اردو ہینڈ لسٹ میں اس مخطوطہ کا جو نام تحریر کیا گیا ہے وہ بھی غزلیاتِ صفیر مسمّیٰ بہ صفیرِ بلبل کے تحت درج ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں صفیرِ بلبل کے علاوہ ایک اور نسخہ ہے جو اردو کے ایک شاعر حشمت کی غزلوں پر مشتمل ہے۔[1]

---

[1] غزلیاتِ حشمت: یہ ورق ۳۲ الف تا ورق ۳۹ ب اور فی صفحہ ۱۱-۱۳ سطور پر مشتمل ہے۔ گویا یہ کل ۸ ورق میں ہے۔ خط شکستہ اور کتابت ۱۱ نومبر ۱۸۶۲ء کی ہے۔ اس میں حشمت کی کل ۱۲ غزلیں ہیں جو مجموعی طور پر ۱۶۹ اشعار پر مشتمل ہیں۔ اس کے خاتمہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نسخہ مولوی محمد بخش خاں والد مرحوم خدا بخش خاں بانیٔ خدا بخش لائبریری پٹنہ کی فرمائش پر خود حشمت نے اپنے ہاتھ سے ۱۸۶۲ء میں لکھا ہے۔ خاتمہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"الحمد اللہ کہ بتاریخ یازدہم نومبر ۱۸۶۲ء نقل این چند غزل من ہیچ کارہ ژولیدہ بیان حشمت تخلص حسب ارشاد نکتہ دان رموز سخن ماہر ہر فن قدر شناس ہر زبان وہر جناب مولوی محمد بخش خاں صاحب دام ظلہ۔ بہ یدی این اوراق برداشتہ شد۔ فقط"

اس کی غزلیں گرچہ حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار مرتب نہیں ہیں تاہم مندرجہ ذیل حروف کی ردیف کے اشعار پائے جاتے ہیں جن میں ردیف الالف کی پانچ غزلیں، ردیف الحاء، ردیف الراء اور ردیف الواو کی ایک ایک غزل اور ردیف الیاء کی چار غزلیں ملتی ہیں۔ ردیف الالف کی سب سے پہلی غزل کا مطلع یہ ہے:

بوسۂ لب وحشتِ دل کا مداوا ہو گیا
خطِ لعلِ یار یاقوتی کا نسخا ہو گیا

آخری غزل کا آخری شعر یہ ہے:

اسماد پہ ہے تقویٰ سے طبیعت حشمت
[illegible] دیکھو

غزلیات صفیر: ۳۱½ اوراق اور فی صفحہ ۱۲ سطور پر مشتمل ہے۔ کتابت ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ میں ہوئی ہے۔ خط نستعلیق ہے۔ اس میں اُردو زبان کے مشہور شاعر اور مصنف سید فرزند احمد صفیر بلگرامی (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی غزلیں ہیں۔ جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۶۳۴ ہے۔ یہ خود صفیر بلگرامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ ہے جو مولوی محمد بخش خاں والد محترم خدا بخش خاں بانی خدا بخش لائبریری پٹنہ کی فرمائش پر لکھا گیا ہے۔ اور اس میں وہی اشعار تحریر کئے گئے ہیں جو بر وقت زبان قلم پر آسکے۔ جیسا کہ صفیر بلگرامی نے نسخہ کے خاتمہ میں خود ہی تحریر کیا ہے۔ خاتمہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"الحمد للہ والمنۃ کہ یہ چند خذف ریزے مسمّی بہ صفیر بلبل کہ مخزونہ خاطر فاطر بندہ سید فرزند احمد صفیر حسینی بلگرامی تھے حسب فرمائش مولوی صاحب عنایت و شفقت فرمائی بندہ مولوی محمد بخش خاں صاحب زاد مجدہٗ کی سطح قرطاس پر آئے۔ مگر افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے عامی سے اس وقت فرمائش کی کہ جب حقیر کے پاس اس مسافرت میں کچھ نہیں ہے۔ ناچار جو کچھ افکار دیرینہ کے دل میں تھے لکھے گئے۔ ان شاء اللہ مکان پر جا کر فرمائش مولوی صاحب کی بطریق احسن انجام کی جاوے گی۔ اب تو خدا کا نام لے کر ان اجزا کو بتاریخ یازدہم ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۷۹ھ تمام کرتا ہوں۔ روشن دلان دیدہ وَر سے چشم الطاف کی امید ہے۔ باقی گفت و شنید ہے۔ اگر کوئی شعر پسند طبع والا ہو عاصی کو دعاے خیر کے یاد کریں۔ فقط۔ (اس کے بعد صفیر بلگرامی کا دستخط ہے)

اس نسخہ میں ورق ۱ تا ۳۱ الف جو غزلیں ہیں وہ حروف تہجی کے لحاظ سے الف تا یای کی ردیف پر مشتمل ہیں۔ لیکن الف اور ب کے بعد ت، ث، ج، ح، خ کی ردیف کے اشعار نہیں ہیں۔ پھر د کے بعد ذ اور ر کے بعد ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ع، غ، ف، ق، ک، اور ل کی ردیف کے اشعار بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ر کے بعد م کی ردیف کے اشعار شروع ہو گئے ہیں۔ جو اشعار موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ الف اور یای کی ردیف کے اشعار ملتے ہیں۔ اور سب سے کم ب کے (یعنی چھ) اور د کے (یعنی چار) اشعار پائے جاتے ہیں۔

سب سے پہلی غزل اس طرح شروع ہوتی ہے:

جو ان اِن مضامیں پر ہے سایہ ربّ سبحاں کا ✦ بنا طغرا بسم اللہ سے تاج اپنے دیواں کا

ورق ۳۱ ب پر "خمسہ حقیر صفیر بر غزل وزیر" کے عنوان کے تحت صفیر بلگرامی کے خمسہ کے اشعار ملتے ہیں۔ اس کے بعد اس کے متعلقہ اشعار ورق ۳۲ الف پر پائے جاتے ہیں خمسہ کے کُل سات بند کے اشعار ہیں، جو مندرجہ ذیل کر دئے

شروع ہوتے ہیں :

نہ ہو بر باد شبدیز ہوس سے ہم عناں ہو کر ٭ زسر تا تا او بھا ہم پائی گرد کارواں ہو کر

غزلیات صفیر جو صفیر بلبل کے نام سے مشہور ہے اس کا مطبوعہ نسخہ بھی عام طور پر ملتا ہے۔ اس وقت میرے سامنے جو نسخہ ہے وہ ۱۲۸۰ھ کا چھپا ہوا ہے۔ ڈاکٹر ظفر اوگانوی (شعبۂ اردو کلکتہ یونیورسٹی) نے صفیر بلگرامی پر ایک مستقل علمی و تحقیقی کتاب لکھی ہے۔ جو "صفیر بلگرامی — غالب کا عظیم المرتبت شاگرد" کے نام سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے اس میں مذکورہ قلمی نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

"صفیر بلبل کا ایک قلمی نسخہ بھی خدا بخش اورنیٹل لائبریری میں موجود ہے۔ یہ نسخہ صفیر کا خود نوشتہ ہے۔ انھوں نے بہ ایمائے مولوی محمد بخش والد خدا بخش خاں بانی کتبخانہ خدا بخش ۱۲۰۷ھ میں مرتب کیا تھا۔ اس میں ۴۰ صفحے ہیں اور نسخہ مکمل ہے۔"[1]

آگے چل کر مطبوعہ اور قلمی نسخے کا تقابلی مطالعہ اس طرح پیش کرتے ہیں :

"چونکہ صفیر بلبل کی اشاعت قلمی نسخے پر درج شدہ تاریخ سے ایک سال کے بعد ہوئی ہے اس لئے مطبوعہ نسخہ میں اضافے کا ہونا ایک فطری امر تھا۔ قلمی نسخے میں اشعار کی تعداد مقابلتہً کم ہے اور مخمس بر غزل سحر اور خبر، رباعیات و پہیلیاں بھی اس میں موجود نہیں ہیں۔ طباعت کے وقت یہ صنفیں بڑھادی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ قلمی اور مطبوعہ نسخے میں مابہ الفرق کوئی خاص بات نہیں ہے۔"[2]

یہاں ظفر اوگانوی کی تین باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ قلمی نسخہ کی کتابت ۱۲۰۷ھ میں ہوئی جبکہ اس کی کتابت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی جیسا کہ خاتمہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قلمی نسخہ کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ ۴۰ صفحہ پر مشتمل ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ صفیر بلبل کا نسخہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے وہ ورق ۱ ب سے شروع ہو کر ورق ۳۱ الف پر ختم ہو گیا ہے۔ پھر ورق ۳۱ ب سے خمسہ کے اشعار شروع ہو گئے ہیں۔ لیکن اس کے متعلقہ اشعار صرف ورق ۴۰ الف پر پائے جاتے ہیں۔ غالباً اسی آخری ورق (۴۰) کو دیکھ کر ڈاکٹر ظفر اگانوی کو دھوکہ ہوا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ

۱۔ صفیر بلگرامی۔ غالب کا عظیم المرتبت شاگرد ص ۱۲۱ ۔۔۔ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۳

۳۲ الف سے غزلیاتِ حشمت کا نسخہ شروع ہوگیا ہے اور ورق ۳۹ ب پر ختم ہوا ہے۔ دونوں نسخوں کے کاتب الگ الگ ہیں اور شانِ کتابت بھی قطعاً ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اس کے باوجود تعجب ہے کہ دونوں کو ایک نسخہ سمجھ لیا گیا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ قلمی نسخہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اشعار کی کمی کے علاوہ مابہ الفرق کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں قلمی نسخہ کے بارے میں یہ رائے بھی ناقص ہے۔ کیونکہ مجموعی طور پر اشعار کی کمی کے باوجود اس میں خاصی تعداد میں ایسے اشعار ملتے ہیں جو خود مطبوعہ نسخہ میں نہیں پائے جاتے اور یہ قلمی نسخہ کی ایسی خوبی ہے جس سے نہ صرف قلمی اور مطبوعہ کے درمیان بنیادی طور پر فرق ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ قلمی نسخہ کی افادیت[1] اہمیت اور قدر و قیمت کافی حد تک بڑھ جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں اس کی تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں:

(۱) قلمی نسخہ میں کچھ غزلیں ایسی ملتی ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملتیں۔ اور یہ غزلیں ایسی ہیں جن کے اشعار نہایت خوبصورت اور دلچسپ ہیں۔ یہاں صرف تین غزلیں نمونہ کے طور پر تحریر کی جا رہی ہیں:

ردیف المیم کے تحت مطبوعہ نسخہ میں ۴ غزلیں ہیں جو کل ۱۹ اشعار پر مشتمل ہیں[1]۔ لیکن اس کے برخلاف قلمی نسخہ میں صرف ایک غزل ہے جو ۹ اشعار پر مبنی ہے اور یہ ایسی غزل ہے جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملتی۔ غزل ملاحظہ ہو:

مشک افشاں شش جہت میں ہے ہوای بلگرام — کوچہ کاکل مگر ہے کوچہای بلگرام
خلد کی جانب جو جاتی ہے ہوای بلگرام — کہتا ہے رضواں بھی جنت ہے فدای بلگرام
زیر پا رہتے ہیں ہر دم کوچہای بلگرام — ساکن فردوس اعلا ہیں گدای بلگرام
مردہ دل جو ہیں پھڑک اٹھتے ہیں بس اک تان پر — ہیں مسیحائے زماں نغمہ سرای بلگرام
مالک حوران و غلماں ہیں وہاں کے خوبرو — شہ نشین باغ جنت ہیں سرای بلگرام
روز و شب بادہ ہمیشہ ہی بہار ادس جا مقیم — تازہ رکھتی ہے دل و جاں کو فضای بلگرام
ماشاء اللہ چشم بد دور ایک سے اک خوب ہے — طعنہ زن ہیں مہر و مہ پر مہ لقای بلگرام
جو در و ایوان ہے وہ اک مطلع انوار ہے — صبح صادق سے نہیں ہرگز کم صفای بلگرام
یا خدا بستی رہے بستی یہ تا دورِ قیام — ہے حقیر اپنی زباں پر یہ دعای بلگرام[2]

۱- ص ۶۰ - ۶۱ ۲- حق ۲۱

ردیف الدال کے تحت مطبوعہ نسخہ میں دو[۲] غزلیں درج ہیں۔ پہلی غزل ۵ اشعار پر اور دوسری ۷ اشعار پر مشتمل ہے[۱]۔ اس کے برخلاف قلمی نسخہ میں صرف ایک غزل ہے جو ۴ اشعار پر مشتمل ہے اور یہ ایسی غزل ہے جو مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں ہے۔ غزل ملاحظہ ہو :

گھر جو میرا کریں جناب آباد
خوب آباد ہو، خراب آباد

دل کی بستی بھی خوب ہے یارب
ہے یہ شہر انتخاب آباد

گیسو و رخ سے تیرے رہتے ہیں
گبر و مسلم تہِ نقاب آباد

دل بتوں سے ہے مثلِ دیر آباد
اب کسر آباد ہے یہ خیر آباد[۲]

ردیف الہائی کے تحت مطبوعہ نسخہ میں ۶ غزلیں ہیں جو ۸۹ اشعار پر مشتمل ہیں[۳]۔ لیکن قلمی میں صرف ایک غزل ہے جو ۱۳ اشعار پر مشتمل ہے اور یہ ایسی غزل ہے جو مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں ہے۔ غزل ملاحظہ ہو :

نکہتِ رخسار ہے موجِ صبا پر حاشیہ
زلفِ مشکیں ہے تری کالی گھٹا پر حاشیہ

بوئے تن ہے نکہتِ بادِ صبا پر حاشیہ
پیرہن تیرا صنم گل کی قبا پر حاشیہ

زلفِ پیچاں تیری ہر کالی بلا پر حاشیہ
چشم فتاں تیری دیوانِ قضا پر حاشیہ

آہ میری ہو گئی طوفانِ محشر سے بلند
آنکھ میری ہے جو طوفانِ بلا پر حاشیہ

تاب میں چاندی سوا فزوں ہے ترے کپڑے سفید
یہ سنہرا رنگ ہے، رنگِ طلا پر حاشیہ

بے سبب سبزہ نہیں نکلا رخِ پرنور پر
ہے خطِ مشکیں ترا شمس الضحٰی پر حاشیہ

خاک کوئے یار ہے اکسیرِ اعظم سے فزوں
بوعلی لکھ رکھے قانونِ شفا پر حاشیہ

خواب سے اس کو جگایا جبکہ میں نے صبحِ وصل
ہو گئی شرم اور چشمِ نیم وا پر حاشیہ

آہ سے عشاق کی اڑتا ہے ہر دم اے پری
ہے دوشالے کا ترے پرّاں ہوا پر حاشیہ

ایک ساغر لینے میں کیا کیا نزاکت خرچ کی
لکھ دیا اس شوخ نے متنِ ادا پر حاشیہ

خوں سے عشاق کے ہو جائے گا سرخ ایک دن
چھوڑ دے خیاط اس گل کی قبا پر حاشیہ

اس غزل سے اے صفیرؔ بلبل گلزارِ قدس
چڑھ گیا دیوانِ اربابِ ذکا پر حاشیہ[۴]

(۲) مطبوعہ نسخہ کے آخر میں مخمس اشعار موجود ہیں اور وہ خمسہ بر غزل خواجہ وزیر، خمسہ بر غزل

۱- ص ۴۴ ۲- ص ۱۹ ۳- ص ۸۵ - ۸۸ ۴- ص ۳۰

جناب سحر، خمسہ بر غزل غلام حسنین قدر بلگرامی اور خمسہ بر غزل سید محمد مہدی خبر بلگرامی پر مشتمل ہیں۔ اس کے برخلاف قلمی نسخہ میں صرف ایک ہی خمسہ کے اشعار ہیں اور وہ خمسہ صفیر بر غزل وزیر ہے۔ لیکن یہ خمسہ ایسا ہے جس کے اشعار مطبوعہ نسخہ میں موجود نہیں ہیں۔ خمسہ کے اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ ہو برباد شبدیز ہوس سے ہم عناں ہو کر — نہ سر اتنا اٹھا ہم پائی گرد کارواں ہو کر
مٹے گا ایک دن نقش قدم سا بے نشاں ہو کر — چلا ہے اے دلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمیں کوے قاتل رنج دے گی آسماں ہو کر

شریک آرزو محو تماشائے بتاں ہو کر — معین صد ہوس ہم پائی نقش سا رہرواں ہو کر
تری کے راستے سے ہم رہ اشک رواں ہو کر — چلا ہے اے دلِ راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمیں کوے قاتل رنج دے گی آسماں ہو کر

جفا و جور جب تم اپنے مشتاقوں پہ کرتے تھے — اسی دن کے لئے ہم پیشتر سے یار ڈرتے تھے
یہی خطرے ہمارے دل میں آگے سے گزرتے تھے — اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر

روانہ ہو چکی تھی ساتھ قاصد کے شکیبائی — مگر تقدیر حسب مدعا پھر اوس کو یاں لائی
اگر سچ پوچھئے تو ہے یہی وجہ توانائی — جوابِ نامہ کیا لایا، تن بے جاں میں جاں آئی
گیا یاں سے کبوتر، واں سے آیا مرغ جاں ہو کر

نہیں تھا سہل آساں برہمن کا جدا ہونا — بہت دشوار ہے اے یار دشمن کا جدا ہونا
مسافر سے نہیں ہے سہل رہزن کا جدا ہونا — غضب ہے روح سے اس جامۂ تن کا جدا ہونا
لباس تنگ ہے اُترے گا آخر دھجیاں ہو کر

وہ چھٹنا اقربا کا اور مسکن کا جدا ہونا — وہ احباب و پسر کا، دختر و زن کا جدا ہونا
بہت ہے شاق سب کے وقت مردن کا جدا ہونا — غضب ہے روح سے اس جامۂ تن کا جدا ہونا
لباس تنگ ہے اُترے گا آخر دھجیاں ہو کر

جوانی میں پہن کر تنگ کپڑے جبکہ میں نکلا — نہایت اینڈ تا ایچوں کے بل ہر سمت پھرتا تھا
قضا ناگہ پکاری حسن کسوت پر نہ اترانا — غضب ہے روح سے اس جامۂ تن کا جدا ہونا

لباس تنگ ہے اُوترے گا آخر دھجیاں ہو کر

(۳) کچھ غزلیں ایسی ہیں جن کے بعض اشعار تو قلمی اور مطبوعہ دونوں نسخوں میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں، لیکن بعض اشعار ایسے ہیں جو قلمی نسخہ میں تو موجود ہیں۔ لیکن مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ چند اشعار نمونہ کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ قلمی اور مطبوعہ میں سب سے پہلی غزل مندرجہ ذیل شعر سے شروع ہوتی ہے:

جاناں مضامیں پر ہر سایہ ربِ سبحاں کا
بنا طغرای بسم اللہ سے تاج اپنے دیواں کا

اس کے بعد دوسرے شعر میں اختلاف ہو گیا ہے۔ کیونکہ مطبوعہ نسخہ میں مندرجہ ذیل شعر ہے:

سراپا بندھ گیا جس وقت مضمون قدِ جاناں کا
لقب ہو جائے گا دیوانِ محشر اپنے دیواں کا[۱]

جبکہ اس کے بجائے قلمی نسخہ میں یہ شعر ہے:

لیا ہے تنگ یوسف کو یہ آغوشِ تصور میں
بعینہ دیدۂ یعقوب پر عالم ہے زنداں کا[۲]

مطبوعہ نسخہ ص ۱ کے حاشیہ پر ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے:

دل صد پارہ وابستہ ہوا زلفِ چلیپا کا
رگِ لیلیٰ سے شیرازہ بندھا دیوان سودا کا

یہ غزل ۹ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہی غزل قلمی نسخہ میں بھی ملتی ہے جس میں کل ۲۴ اشعار ہیں۔ مطلع اور ۸ اشعار میں تو دونوں نسخے یکساں ہیں، لیکن بقیہ ۱۵ اشعار ایسے ہیں جو صرف قلمی نسخہ میں موجود ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چلی پامالیٔ عاشق کو تا موی کمر پہونچی
خدا حافظ ہے نکلا پاؤں اب زلفِ چلیپا کا

نقاب الٹو اگر تم گلشنِ رخ سے تماشا ہو
بنے بلبل ابھی مرغِ نظر اہلِ تماشا کا

ادھر آئی سیاہی تیرے دل کی صاف گالوں سے
رخِ پُر نور پر نشو و نما ہے خطِ زیبا کا

بنا ہے مرغ بسم اللہ ہر مرغِ نظر اپنا
نظارہ جب کیا ہے مصحفِ رخسار جانا کا

یہ تیر امیر[۳] ے دل میں پھر نہ نکلا چارہ سازوں سے
خیال اون ترچھی نظروں کا مگر ریزہ ہے مینا کا

وہ زخمی ہوں کرلے جو رفو مجھ پر رو دے گا دشمن
بنے گا دیدۂ پر اشک سوزن کا ترے ناکا

بسعت آگے بیٹھا کوچۂ جاناں میں صحرا سے
جو ٹوٹے آبلے طالع کھلا گویا مرے پا کا

اشاروں سے تری آنکھوں کے زندہ ہوتی ہیں مردم
حرہ ہر بچہ مریم ہے پوٹا لب مسیحا کا

زباں عنقا صفت پنہاں سخن مشہور ہے لوں کا
دہان تنگ بھر پایا آشیانہ مرغِ عنقا کا[۴]

۱- ص ۱ ۲- ص ۱۲ ۳- بمعنی فرد، نقش، نشتر وغیرہ ۴- ص ۹۷

ردیف الیاء کے تحت مطبوعہ نسخہ میں ایک غزل ۶ اشعار پر مشتمل ہے جس کا مطلع یہ ہے:

بناگوش صنم پر دیدنی ہے شانِ کاکل کی بیاضِ صبح پر تحریر ہے یہ خط سنبل کی[1]

یہی غزل قلمی نسخہ میں بھی ملتی ہے۔ مگر اس میں صرف ۷ اشعار ہیں اور ۳ اشعار ایسے ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ وہ اشعار یہ ہیں:

خطِ رخ پر دل آویزی غضب ہے تیرے کاکل کی خط گلزار کے ہے، گرد جدول خط سنبل کی
ترے رخ کے تصور میں گلوں کا ذکر کرتی ہے یہ اوڑتی سی خبر ہے کو جیسے منقارِ بلبل کی
ترے خال ذقن پر صاف جادوگر کا شبہ ہے ذقن پر تیرے پھبتی ہو رہی ہے چاہ بابل کی[2]

۱۔ ص ۳۱ ۲۔ ص ۳۲

سلیم الدین احمد
اسسٹنٹ لائبریرین
خدابخش لائبریری پٹنہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مخطوطات خدابخش لائبریری میں

شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) کی تصنیفات اسلامی علوم کی تقریباً بھی شاخوں کو محیط ہیں۔ مثلاً قرآن کا ترجمہ و تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، عقائد، تصوف، تذکرہ، نیز مذہبی اور سیاسی مکتوبات وغیرہ۔ آپ کی تصنیفات میں سے ایک تعداد اُن کتابوں کی ہے جو طبع ہو چکی ہیں اور عام شہرت کی حامل ہیں، ایک تعداد وہ ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں اور طباعت و اشاعت کی محتاج ہیں اور ایک تعداد ایسی بھی ہے جن کے صرف ناموں ہی کا حوالہ ہمیں ملتا ہے۔ اس پس منظر میں شاہ صاحب کی تصنیفات کی صحیح تعداد کا تعین مشکل ہے۔

شاہ صاحب کے قدیم تذکرہ نگار، رحیم بخش دہلوی نے شاہ صاحب کی ۴۶ تصنیفات کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے: "شاہ صاحب کی تصنیفات کثرت سے ہیں ۔۔۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ باوجود تحقیقات کے چند مشہور کتابوں کے علاوہ اور کسی کا پتہ نہیں چلتا" اور یہ کہ انھوں نے "صرف انھیں کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوعہ ہو کر شرق سے غرب تک نہایت وقعت سے مشہور ہو چکی ہیں" لیکن ان کی مذکورہ ان مطبوعہ کتابوں

۱۔ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی ص ۶۹؛ سرکیس نے معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ میں آپ کی تاریخ وفات ۱۱۷۶ھ ہی دی ہے۔ لیکن کتاب الاقتباسات کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۱۱۸۰ھ میں ہوئی۔ حدائق الاولیا مولفہ مفتی محمد غلام سرور (نولکشور) ص ۱۰۸، اور ہدیۃ العارفین، جلد ۱، ص ۲۰۰ میں بھی سال وفات ۱۱۸۰ھ ہی دیا گیا ہے۔ لیکن مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب تذکرہ شاہ ولی اللہ، ص ۲۰۸ میں زیادہ صحیح قول شاہ عبدالعزیز کا نقل کیا ہے کہ آپ کی تاریخ وفات "او بود امام اعظم دین" سے نکلتی ہے یعنی ۱۱۷۶ھ۔ خدابخش لائبریری کے توضیحی کیٹلاگ ج ۳۴، ص ۲۱-۲۲ میں تاریخ وفات ۱۱۷۴ھ درج ہے، جو ظاہر ہے، غلط ہے۔

۲۔ حیات ولی، ص ۲۹۵ ۳۔ حیات ولی، ص ۳۱۷

یں سے بھی ایک تعداد ایسی ہے جو بالکل نایاب ہے، اُن کا کہیں حوالہ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی، شاہ صاحب پر اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ "چند مصنفین ان کی تصنیفات کی تعداد دو سو (۲۰۰) سے زائد بتلاتے ہیں.... مشہور و معروف کتابوں کی تعداد تقریباً ستر (۷۰) ہے۔ لیکن ان میں سے نصف محض چند یا پانچ صفحات پر مشتمل مختصر رسالے ہیں"[1] لیکن ڈاکٹر رضوی نے مشہور و معروف ستر (۷۰) تصنیفات میں سے صرف اکتالیس (۴۱) تصنیفات (مکتوبات کو چھوڑ کر) کا ہی حوالہ دیا ہے۔ جس میں یہ صراحت بھی نہیں ملتی کہ ان میں سے کون کون سی تصنیفات طبع ہو چکی ہیں۔ مولانا منظور نعمانی نے شاہ صاحب پر اپنے مختصر مگر جامع مقالہ میں شاہ صاحب کی چوالیس (۴۴) تصنیفات کا حوالہ دیا ہے[2] جن میں ۳۴ کے بارے میں یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ یہ طبع ہو چکی ہیں۔ حکیم محمود احمد برکاتی نے شاہ صاحب پر اپنی تصنیف میں مطبع کے نام اور سن طباعت کی تفصیل کے ساتھ ایسی چوالیس (۴۴) کتابوں کا حوالہ دیا ہے، جو طبع ہو چکی ہیں اور مزید سترہ (۱۷) ایسی کتابوں کا حوالہ دیا ہے[3] جو اب تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکی ہیں، جن میں سے تیرہ (۱۳) کے بارے میں انھوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان کتابوں کے صرف نام ہی معلوم ہیں۔ یہ نہ صرف یہ کہ طبع نہیں ہوئی ہیں، بلکہ یہ تک معلوم نہیں کہ یہ مخطوطات کی شکل میں کہاں کہاں پائی جاتی ہیں[3]۔ ڈاکٹر مظہر بقا صاحب نے شاہ صاحب پر اپنی تصنیف میں شاہ صاحب کی کل تصانیف کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی ۰۰ تصنیفات کا حوالہ دیا ہے، جن میں سے چوالیس (۴۴) کتابوں کے بارے میں یہ وضاحت بھی کی ہے کہ یہ طبع ہو چکی ہیں[4]۔ اس مقالے میں شاہ صاحب کی صرف ان تحریروں کا تعارف و تذکرہ مقصود ہے جو مخطوطات کی شکل میں خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہیں۔

روایت حدیث کی سندیں شاہ صاحب کی اپنی تحریریں : خدا بخش لائبریری میں

شاہ صاحب کی طرف سے دی گئی روایت حدیث کی ایسی دو سندیں محفوظ ہیں، جو شاہ صاحب کی اپنی تحریر یں ان کے دستخط کے ساتھ ہیں۔ ایک سند بخاری کے ایک ایسے نسخے کے آخر میں دی گئی ہے، جس کی کتابت جامع مسجد دہلی میں آپ کے زیر نگرانی انجام پائی اور جس کی تصحیح بھی آپ نے کی تھی۔ روایت حدیث کی یہ سند، مرقومہ ۱۱۵۹ھ، آپ نے اپنے شاگرد شیخ محمد بن شیخ پیر محمد، بن شیخ ابوالفتح العمری البلگرامی ثم الالہ آبادی کو دی ہے۔

۱۔ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی: شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کا عہد (انگریزی)، معرفت پبلشنگ ہاؤس آسٹریلیا، ص ۲۲

۲۔ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ ۳۔ حکیم محمود احمد برکاتی: شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کا خاندان، ص ص ۱۲۱-

۴۔ ڈاکٹر مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ص ص ۶۵-۷۵

جو بخاری کے اس نسخے کے کاتب بھی ہیں۔ اس سند کے آخر میں شاہ رفیع الدین کا ایک نوٹ بھی ہے، جو اس طرح ہے " این خط والد بزرگوار است بی شبہ۔ کتبہ الحقیر شاہ رفیع الدین " اس سند کا عکس الخیر الکثیر مطبوعہ ڈابھیل کے آغاز میں شائع ہو گیا ہے۔[1]

دوسری سند مرقومہ ۱۱۶۰ھ ایک رسالہ " الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین " کے آخر میں شاہ صاحب نے اپنے شاگرد شیخ محمد کو دی ہے۔ یہ بھی شاہ صاحب کی اپنی تحریر میں ہے۔ جس کا متن اس طرح ہے:

" الحمد اللہ قد قرأ علیّ ہذہ الرسالۃ کلہا صاحب النسخہ اخونا الصالح الشیخ محمد احسن اللہ تعالی واصلح حالہ فاجزت لہ روایتہا عنی علی ان منہا بعض شئی من الخلل فی ضبط الاسماء لاسیما فی اسماء المغاربہ۔ کتب ہذہ السطور مولفہا الفقیر ولی اللہ عفی اللہ عنہ فی اوائل محرم ۱۱۶۰ھ آخر ساعۃ من یوم الجمعۃ "

الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین :- یہ ایک اہم رسالہ ہے جس کی کتابت نہ صرف یہ کہ شاہ صاحب کی زندگی ہی میں ہوئی، بلکہ شاہ صاحب نے اس کی تصحیح بھی فرمائی اور اس کے آخر میں اس رسالہ کے کاتب کو روایت حدیث کی سند بھی مرحمت فرمائی۔ اس رسالہ میں جو ۱۹ اوراق پر مشتمل ہے اور خط نستعلیق میں ہے، حدیث مسلسل کو جمع کیا گیا ہے۔ مشتملات اس طرح ہیں :-

" الحدیث المسلسل بالاولیۃ، الحدیث المسلسل بقراءۃ سورۃ الصف، الحدیث المسلسل بقول ان احبک فقل، الحدیث المسلسل بالمصافحۃ، الحدیث المسلسل بالحفاظ المتقین فی علم الحدیث، الحدیث المسلسل بالفقہاء الحنفیہ، الحدیث المسلسل بالفقہاء الشافعیہ، الحدیث المسلسل بالفقہاء المالکیہ، الحدیث المسلسل بالفقہاء الحنابلہ، الحدیث المسلسل بالاشاعرۃ، الحدیث المسلسل بالمکیین، الحدیث المسلسل بالمشارقۃ، الحدیث المسلسل بالمغاربۃ، احادیث مسلسلہ بائمہ اہل البیت، احادیث مسلسلہ بالاباء، اربعون حدیثا مسلسلا بالاشراف، احادیث مسلسل بالمحدثین، الحدیث المسلسل

۱- محمود احمد برکاتی : شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان، ص ۹۴

بالحس، احادیث مسلسلہ بحروف العین فی اوّل اسم کل راو، الحدیث المسلسل بالقراء، الحدیث المسلسل بالشعراء، الحدیث المسلسل بیوم العید، حدیث مسلسل بنسبۃ کل راو الی شیٔ من بلد او قبیلہ " یہ رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہو سکا ہے۔[1]

فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن:۔ فارسی زبان میں قرآن مجید کا یہ آسان ترجمہ دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں آغاز قرآن سے سورۂ مریم تک کا ترجمہ و تفسیر ہے جو ۳۲۴ اوراق پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد میں، جو ۳۲۴ اوراق پر مشتمل ہے، سورۂ طٰہٰ سے آخر قرآن تک کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ دیباچہ میں اس بات کی تصریح ملتی ہے کہ یہ ترجمہ عربی زبان سے نابلد لوگوں کے لئے اور خاص طور پر ہندوستانیوں اور مبتدیوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ مزید اس بات کی بھی نشاندھی کی گئی ہے کہ آپ کے دوست خواجہ محمد امین کے تعاون سے یہ تفسیر عوام میں کافی مقبول ہوئی اور بہت سے مدارس میں داخل نصاب ہوئی۔ کاتب صفی اللہ بن شیخ فقیر اللہ نے تفسیر کے آخر میں مشکل الفاظ کی ایک فرہنگ بھی دیدی ہے جس کے دیباچے میں لکھا ہے کہ تفسیر کے حواشی پر انھیں بہت سے نوٹ عربی و فارسی زبان میں لکھے ہوئے ملے جسے انھوں نے جمع کر کے پڑھنے والوں کے فائدے کے لئے مسودہ بمسودہ ترتیب دیدیا ہے۔ کتابت خط تعلیق میں ہے اور سن کتابت ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۸۱ھ ہے۔ گویا نسخہ شاہ صاحب کی وفات کے بعد کا ہے، جسے کاتب نے اپنے پیر محمد عاشق کے حکم پر لکھا تھا۔ اس کے ترجمہ کا آغاز شاہ صاحب نے ۱۱۵۰ھ میں کیا تھا اور اس کی تکمیل ۱۱۵۱ھ میں ہوئی تھی تفسیر متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔

فارسی میں قرآن کے اس ترجمہ کی اہمیت کا اندازہ الیانع الجنی (۷۹) کے اس قول سے ہوتا ہے کہ:

"وقد نسج علی منواله ابنه عبد القادر واحسن الترجمه الی هندیه للقرآن اقتباسا من مشکاته ولقد سهل الترجمه من بعده علی الناس قد وقّا به وبمن تبعه دهو اوّل من اتقن هذا ودوّن اصوله"[2]

مقدمہ فتح الرحمٰن: یہ اہم مقدمہ آپ کے ترجمہ قرآن 'فتح الرحمٰن' کے ساتھ شامل ہے اسے یہاں ایک علیحدہ رسالے کے طور پر لیا گیا ہے۔ فرق اتنا کیا گیا ہے کہ اس کے اختتام پر ایک دعا

۱۔ ڈاکٹر مظہر بقا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے (ص ۶۶)، لیکن محمود احمد برکاتی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ طبع نہیں ہوا ہے اور یہی زیادہ صحیح قول معلوم ہوتا ہے۔ ۲۔ اعلام ج ۱، ص ۱۴۵

شامل کی گئی ہے، جسے قاری کو تلاوت قرآن پاک کے بعد پڑھنا چاہیے۔ دعا یہ ہے: "صدق اللہ صدق اللہ علی العظیم وصدق رسولہ الکریم الخ" کتابت خط تعلیق میں ہے۔ تعداد اوراق آٹھ ہے اور نسخہ ۱۳ ویں صدی کا معلوم ہوتا ہے۔

مصفّٰی شرح موطا: یہ امام مالک کی مشہور کتاب موطا جو مدینہ کے علما کے اجماع پر مبنی مسلم قانون اور اس کے تعامل پر سب سے قدیم دستاویز ہے، کی فارسی شرح ہے۔ حاشیہ پر جابجا نوٹس اور تشریحیں ہیں۔ کتابت پاکیزہ خط تعلیق میں ہے اور سنہ کتابت ۱۲۰۶ھ ہے۔ کاتب کا نام اسد بہادر علی لکھنوی ہے۔ تعداد اوراق ۳۰۲ ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ خدا بخش لائبریری کی توضیحی فہرست میں کتاب کے اخیر میں دیے ہوئے چند تاریخی قطعات کا حوالہ دے کر لکھا گیا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف ۱۱۷۹ھ میں مکمل ہوئی۔ لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ شاہ صاحب تو ۱۱۷۶ھ ہی میں انتقال فرما چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ کتاب کے اخیر میں دیے تاریخی قطعات جن سے ۱۱۷۹/ ۱۱۸۰ھ کی تاریخیں نکلتی ہیں، اس کتاب سے متعلق نہیں ہیں۔ کتاب کے اختتام کے بعد کاتب نے تین اوراق میں تین مختلف نوٹ شامل کر دیے ہیں، جو اسے کہیں سے مل گئے ہیں۔ پہلا نوٹ شاہ عبدالعزیز کا ہے، جس میں انھوں نے موطا کے درس سے فراغت کی تاریخ دی ہے، جس درس میں ان کے بھائی شاہ رفیع الدین، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ وغیرہ شریک درس رہے تھے۔ دوسرا نوٹ شیخ محمد عاشق کا ہے، جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ امام مالک کے رسالہ صراط المستقیم، و شرح طریق القویم کو شاہ صاحب ترجمہ و ترتیب کے بعد کچھ دوسرے رسائل کے ساتھ شائع کرنا چاہتے تھے کہ مسوّی فی شرح الموطا کا مسئلہ درپیش آگیا اور ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اس شرح کا درس دینا بھی شروع کر دیا۔ لہٰذا اس مصروفیت کے باعث یہ کام رہ گیا۔ تیسرا نوٹ خود شاہ ولی اللہ کا ہے جس میں آپ نے خواجہ محمد امین الکشمیری کو چند احادیث مشہور متداول کی سند دی ہے۔ یہ نوٹ کاتب نے جہاں سے نقل کیا ہے اس کی تاریخ کتابت کے تاریخی قطعات بھی نقل کر دیے ہیں، جس کو غلطی سے تاریخ تصنیف سمجھ لیا گیا ہے۔

لائبریری میں اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے جو کتاب کا نصف آخر ہے۔ اس کا آغاز کتاب البیوع سے ہوتا ہے۔ تعداد اوراق ۲۱۲ ہے۔

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء: یہ سنّی فقہ پر ایک جامع تصنیف ہے

جو فارسی زبان میں ہے۔ دیباچہ میں شاہ صاحب نے صراحت کی ہے کہ چونکہ ان کے زمانہ میں شیعی فرقہ نے خلفاء اربعہ کی خلافت کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس لئے یہ کتاب لکھ کر خلفاء کی اہمیت اور ان کی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی ہے۔ کتاب کو دو مقصدوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن کے ذیل میں پھر کئی فصلیں ہیں۔ لائبریری میں اس کتاب کے دو نسخے ہیں۔ دونوں ہی نسخے خط تعلیق میں ہیں۔ پہلا نسخہ ۵۰۶ اوراق پر مشتمل ہے، جس کا کاتب حاجی گل محمد ہے۔ کتابت ۱۲۱۳ھ کی ہے۔ دوسرا نسخہ ناقص الآخر ہے، اور ۳۸۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا ایک نسخہ آصفیہ لائبریری میں بھی موجود ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ مولانا منظور نعمانی نے اسکی اہمیت پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا قول نقل کیا ہے کہ "اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں ہے"۔[1] کشف الغطا کے نام سے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ مجلس علمی ڈابھیل اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کرا رہی ہے۔

فوز الکبیر فی اصول التفسیر و فتح الخبیر: اصول تفسیر پر یہ ایک اہم تصنیف ہے۔ پوری کتاب کو پانچ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پانچواں باب کہ "در ذکر جملہ صالحہ از شرح غریب قرآن و اسباب نزول آن کہ مفسر را حفظ آن قدر ضرور است و خوض در تفسیر بدون حفظ آن ممنوع و محظور" کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس باب میں قرآن مجید کے مشکل و غریب لغات سہل الفاظ میں حل کئے گئے ہیں، اور جا بجا قرآنی آیات کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح و مشہور احادیث اور صحابہ کرام کے مستند اقوال سے کی گئی ہے۔ اس باب کو ایک مستقل حیثیت دے کر ایک الگ رسالہ کی صورت دے دی گئی ہے۔ لکھتے ہیں کہ: "و این باب بخلیہ علاحدہ شروع کردہ شد تا رسالہ باشد مستقل۔ اگر کسی خواہد جدا نویسد والناس فیما یعشقون مذاہب"۔ چنانچہ اسی رسالہ کا نام آپ نے "فتح المبین بمالابد من حفظ فی علم التفسیر" رکھا ہے۔

لائبریری میں اس کتاب کے تین نسخے ہیں۔ تینوں خط نستعلیق میں ہیں اور تیرھویں صدی کے معلوم ہوتے ہیں۔ پہلا ۱۳۷ اوراق، دوسرا ۱۱۸ اوراق، اور تیسرا ۱۸۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ تیسرے نسخے کے ورق ۱۷۹ (ب) پر شاہ صاحب نے اپنی دو تصانیف "تاویل الاحادیث" اور "فتح الرحمن" کا حوالہ دیا ہے۔ ورق ۱۸۰ بالکل سادہ ہے۔ پانچویں باب کا عنوان اور آخری حصہ غائب ہے۔ شاہ صاحب

۱۔ "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۸۶

کی یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ پانچویں باب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ: شاہ صاحب کی یہ معرکۃ آرا تصنیف فقہ، حدیث، اخلاق، تصوف اور فلسفہ پانچوں علوم کا خلاصہ و عطر ہے، گرچہ کتاب کا اصل موضوع فقہ اور حدیث ہی ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کا خیال مکہ میں ———— پیدا ہوا، اور آپ کے شاگرد اور دوست شیخ محمد عاشق (شاہ صاحب کے ماموں شیخ عبداللہ کے فرزند) کی درخواست پر دلی میں یہ خیال پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس کتاب میں آپ نے حدیث و فقہ کے ارتقائی پہلوؤں اور شرعی احکام کے نفاذ کے دلائل کا جائزہ لیا ہے۔

۳۵۷ اوراق پر مشتمل یہ مطلا نسخہ نہایت پاکیزہ نستعلیق میں ہے۔ کتابت ۱۲۴۰ھ کی ہے۔ یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ اس کے طبع شدہ کئی نسخے لائبریری میں موجود ہیں۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

المسوی شرح الموطا: یہ کتاب امام مالک کی مشہور تصنیف 'موطا' کی عربی شرح ہے جبکہ فارسی شرح بھی آپ نے 'مصفی شرح موطا' کے نام سے لکھی تھی جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ اس شرح میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ حدیث کے ذیل میں متعلقہ حدیث کی مختلف علما نے جو تشریحیں کی ہیں، انھیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ہر باب میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف رائے کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یہ شاہ صاحب کی ۱۱۶۴ھ کی تصنیف ہے۔ لائبریری میں اس کتاب کے دو نسخے ہیں، پہلا نسخہ جو ۳۲۲ اوراق پر مشتمل ہے، پاکیزہ نسخ میں ۱۲۶۵ھ کا ہے۔ اس کے کاتب کا نام القاضی عبدالرحمن بن قاضی اسمعیل ہے۔ دوسرا نسخہ ۶۸۷ اوراق پر مشتمل ہے۔ خط نستعلیق میں لکھا ہوا یہ نسخہ ۱۲۶۲ھ کا ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: یہ ایک اہم تصنیف ہے۔ جس میں صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہا کے درمیان اختلافات کی وجوہ پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر منقسم ہے۔ چوتھے اور پانچویں باب میں چوتھی اور مابعد کی صدیوں کے فقہا کے مختلف خیالات پر بالخصوص بحث کی گئی ہے۔ ورق ۱۸ (ب) پر شاہ صاحب نے اپنے شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم (م ۱۱۲۵ھ) کی سند پر امام شافعی (م ۲۰۴ھ) کے خیالات کا جو فقہ کے تین اصل اصولوں سے متعلق ہیں، حوالہ دیا ہے۔

لائبریری میں اس کے چھ نسخے ہیں۔ پہلا نسخہ ۲۴ اوراق پر ہے، خط نستعلیق میں ہے، اور

نسخہ تیرھویں صدی کا معلوم ہوتا ہے۔ سرورق پر مشتملات کی فہرست بھی ہے۔ کتاب کے آخر میں شاہ صاحب کی تصنیف عقد الجید کے مشتملات کی فہرست بھی دی ہوئی ہے۔ دوسرا، تیسرا اور چوتھا نسخہ علی الترتیب ۳۹، ۲۷ اور ۴۰ اوراق پر مشتمل ہے۔ سبھی خط نستعلیق میں ہیں اور تیرھویں صدی ہجری کے ہیں۔ پانچواں نسخہ جو ۲۶ اوراق پر مشتمل ہے خط نستعلیق میں تیرھویں صدی ہجری کا نسخہ ہے۔ اس اعتبار سے قابل ذکر ہے کہ اس کے آخری تین اوراق پر 'وتر' کی نماز کے بارے میں ائمہ اربعہ کے خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ چھٹا نسخہ ۱۴ ورق پر مشتمل ہے۔ اور خط نسخ میں ہے۔

یہ کتاب متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا اردو میں 'کشاف' کے نام سے ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید: اجتہاد اور تقلید پر یہ ایک اہم تصنیف ہے۔ شاہ صاحب نے اس میں اس بات پر بحث کی ہے کہ مسلمان کس طرح فقہ کے چار اسکولوں میں بٹ گئے ہیں۔ دوسرے باب میں شاہ صاحب نے مسلمانوں کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ کسی ایک اسکول سے اپنے آپ کو منسلک کر لیں۔ اس کتاب کے لائبریری میں تین نسخے موجود ہیں۔ تینوں ہی نسخے خط نستعلیق میں تیرھویں صدی ہجری کے ہیں۔ پہلا نسخہ ۱۹ اوراق پر مشتمل ہے اور نیلے حاشیوں کے اندر لکھا ہوا ہے۔ پہلے ورق پر ایک دوسرے خط میں ایک تحریر ہے کہ مصنف کا انتقال ۱۱۸۰ھ میں ہوا، جو ظاہر ہے کہ صحیح نہیں۔ ورق ۲۰ الف سادہ ہے۔ دوسرا نسخہ ۲۲ اوراق پر مشتمل ہے اور تیسرا ۳۳ اوراق پر۔ اس نسخے کے آخری ورق پر تحفہ اثنا عشریہ (تصنیف شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ کے حوالے درج ہیں) شاہ صاحب کی یہ تصنیف طبع ہو چکی ہے۔

قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین: یہ ایک مشہور سنی تصنیف ہے جس میں پہلے دو خلفا حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض کے قابل تعریف اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بعد کے دونوں خلفا حضرت عثمان غنی رض اور حضرت علی رض پر احادیث اور اولیاء کے کلام کی روشنی میں ان کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس نظریے پر بھی بحث کی گئی ہے کہ ان کی روحیں رسول اللہ صلعم کی روح سے نکلی ہوئی روشنی سے مل گئی ہیں۔ دیباچہ میں مصنف نے صراحت کی ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنے بھائی خواجہ محمد امین کی درخواست پر لکھی ہے۔

اس مخطوطے کا ایک نسخہ بوہار مشمول لائبریری کلکتہ اور ایک آصفیہ لائبریری میں بھی موجود ہے۔ کتابت

خط نستعلیق میں ہے۔ سنہ کتابت درج نہیں، نسخہ تیرھویں صدی کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

سطعات: تصوف پر یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے، جس میں علم الٰہی اور اصطلاحات صوفیا کا ذکر ہے۔ اور تصوف کے رموز و اشارات کی نہایت آسان توضیح ہے۔ یہ رسالہ ۱۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت خط نستعلیق میں ۱۲۶۸ھ کی ہے۔ اس کا ایک نسخہ آصفیہ لائبریری میں بھی موجود ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

رسالہ مقدمہ سنیہ فی الانتصار الفرقۃ السنیہ: شیعہ فرقے کے جواب میں خاص طور پر امامت کے مسائل پر یہ ایک اہم تصنیف ہے۔ جابجا قرآن و حدیث اور متقدمین و متاخرین علما کے اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے۔ ۴۴ اوراق پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۶۸ھ کی ہے اور خط تعلیق میں ہے۔ آغاز کتاب کے ایک یا دو ورق غائب ہیں۔ اس کتاب کا ایک مختصر ساحصہ مولانا مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند کے پاس ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ سعیدیہ لائبریری ٹونک میں بھی محفوظ ہے[1]۔ لائبریری کے نسخے کا آغاز اس طرح ہے: "...... وعلیل صدای لو یذھب بما ذکر من الکتب ... فتنقش فی خاطری ان اظہار مفاسدھم و ابطال مقاصدھم"۔

مقدمہ فی قوانین الترجمہ: قرآن مجید کے مترجمین کے لیے قوانین و ضوابط پر مشتمل یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ دیباچہ میں شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ قوانین و ضوابط اس وقت وضع کیے تھے، جب وہ خود قرآن کا فارسی میں ترجمہ کر رہے تھے۔ تیرھویں صدی کا یہ نسخہ ۱۰ اوراق پر مشتمل ہے۔

اربعون: اس مختصر رسالے میں شاہ صاحب نے ایسی چالیس حدیثیں جمع کی ہیں جو انھوں نے اپنے شیخ ابو طاہر المدنی بن شیخ ابراہیم الکردی سے روایت کی ہیں۔ جن کی سند رسول اللہ صلعم تک پہنچی ہے۔ لائبریری میں اس کے دو نسخے ہیں۔ پہلا نسخہ سات اوراق پر مشتمل ہے۔ امتیاز کے لیے ہر حدیث کا آغاز لال روشنائی سے کیا گیا ہے۔ اس نسخے کا کاتب محمد داؤد خاں ہے۔ آخر رسالہ میں دعائے تاج اور چند حدیثیں، نیز قرآن کی چند آیتیں درج ہیں جن کا مضمون اخلاقیات ہے۔ دوسرا نسخہ چار اوراق پر مشتمل ہے۔ دونوں نسخے خط نستعلیق میں ہیں اور تیرھویں صدی کے ہیں۔ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

۱۔ بحوالہ کیٹلاگ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک۔ مرتبہ مولانا محمد عمران خان

رسالہ شاہ ولی اللہ: یہ ایک مختصر لیکن جامع رسالہ ہے، جس میں شیخ محی الدین ابن العربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود اور شیخ احمد سرہندیؒ کے نظریۂ وحدۃ الشہود کا بھرپور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ دیباچے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رسالہ آپ نے اسمٰعیل بن عبداللہ آفندی کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ عبداللہ آفندی نے یہ دریافت کیا تھا کہ آیا وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے نظریوں کے درمیان کوئی تطابق پیدا کیا جا سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ دونوں نظریے بنیادی طور پر منفرد ہیں۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "من العبد الضعیف احمد الموعود بولی اللہ بن عبدالرحیم الدہلوی عفی اللہ عنہ ووفقہ لما یحب ویرضاہ الی آفندی اسمٰعیل بن عبداللہ الرومی ثم المدنی... اما بعد فانی احمد الیکم اللہ الذی ...."

لائبریری میں اس رسالے کے دو نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ ۱۱ اوراق کا ہے اور دوسرا ۹ اوراق کا۔ دونوں ہی تیرھویں صدی ہجری کے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہو سکا ہے۔

اعلام الدریب بحدوث بدعۃ المحاریب: یہ ایک اہم رسالہ ہے جس میں مسجد میں محراب کا ہونا بدعت ہے یا نہیں، اس مسئلہ پر احادیث اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "الحمد للہ رب العالمین ھذا جزء لطیف سمیۃ اعلام الدریب بحدوث بدعۃ المحاریب لان قوما خفی علیھم کون المحراب فی المساجد بدعۃ وظنوا انہ کان فی المسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن فی زمانہ محراب قط ولا فی زمان الخلفاء الاربعۃ ...."

یہ رسالہ ۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ خط نستعلیق میں تیرھویں صدی کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک طبع نہیں ہو سکا ہے، اور نہ ہی اس رسالے کا حوالہ ہی کہیں ملتا ہے۔ یہ بات دلچسپ ہے کہ علامہ سیوطی کا بھی بالکل اسی نام سے ایک رسالہ اسی موضوع پر ہے۔

رسالہ حسن العقیدہ: اس رسالے میں شاہ صاحب نے اماموں کے سلسلے میں اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے، جو شیعہ حضرات کے اس الزام کے رد میں ہے کہ آپ اماموں کے مخالف ہیں۔ کتاب میں مصنف یا کتاب کے نام کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ لیکن کتاب کے آغاز اور اختتام پر ہمیں اس مجموعہ میں شامل رسائل کی جو فہرست ملتی ہے اس میں اس رسالے کو شاہ عبدالعزیز کی تصنیف

قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ورق ۴۵ (ب) پر اس بات کی صراحت ملتی ہے کہ رسالہ 'حسن العقیدہ' شاہ صاحب کی ہی تصنیف ہے۔[1]

کتاب ۱۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت پاکیزہ نسخ میں ہے۔ تیرھویں صدی ہجری کا نسخہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

القول السدید فی مسائل الاجتہاد والتقلید: یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس کا عام تذکروں میں حوالہ نہیں ملتا۔ اس رسالے میں اجتہاد اور تقلید کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ اس رسالے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے: "اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا ..... اما بعد فھذہ تعلیقۃ اذکر فیھا ملحوظی فی بعض مسائل الاجتہاد والتقلید۔" یہ رسالہ ۷ اوراق پر مشتمل ہے، تیرھویں صدی کا نسخہ ہے اور کچھ کرم خوردہ حالت میں ہے۔ یہ رسالہ غالباً طبع نہیں ہو سکا ہے۔

ڈاکٹر مظہر بقا نے لکھا ہے کہ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی تصنیف نہیں ہے۔[2] لیکن تصنیف کس کی ہے اس بارے میں کچھ نہیں لکھتے۔ لائبریری میں جو نسخہ موجود ہے، اس میں رسالے کے اندر شاہ صاحب کا کہیں نام نہیں ملتا۔ لیکن رسالے کا آغاز جس انداز میں ہوا ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کی تصنیف ہے جو مسائل اجتہاد اور تقلید پر ان کی ایک تعلیق ہے۔ اسلوب نگارش اور طریقۂ استدلال بھی شاہ صاحب کے انداز کا ہے۔

یہ رسالہ لائبریری کا میں ایک مجموعہ کتب میں شامل ہے۔ یہ مجموعہ تین کتابوں پر مشتمل ہے۔ پہلی کتاب

۱۔ خدا بخش لائبریری کیٹلاگ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ اس رسالہ کا مصنف شاہ صاحب کا کوئی دوست یا شاگرد ہے اور اس خیال کی بنیاد یہ بنائی گئی ہے کہ 'حدائق الحنفیہ' میں شاہ صاحب کی تصانیف کی فہرست میں اس رسالے کا حوالہ نہیں ملتا اور یہ کہ شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کی فہرست میں بھی اس رسالے کا حوالہ نہیں ملتا ہے۔ لیکن ———— یہ خیال صحیح نہیں۔ یہ رسالہ شاہ ولی اللہ کی ہی تصنیف ہے۔ مولانا رحیم بخش (حیات ولی)، حکیم محمود احمد برکاتی (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان) اور ڈاکٹر رضوی (شاہ ولی اللہ اور ان کا عہد) نے شاہ صاحب کی تصانیف میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر مظہر بقا: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ۔ ص ۴۷-۵۰۔

شاہ صاحب کی مشہور تصنیف "الانصاف" ہے۔ اور دوسری کتاب بھی تصنیف "القول السدید" ہے اور تیسری کتاب شاہ صاحب کی تصنیف "عقد الجید" ہے۔ کاتب نے تینوں ہی کتاب کے بارے میں آغاز کتاب میں لکھا ہے کہ یہ تینوں رسالے شاہ صاحب کی تصنیف سے ہیں۔

لمعات: یہ زہد و تصوف پر ایک مختصر مگر نہایت جامع رسالہ ہے۔ یہ کل ۳۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت خط نستعلیق میں ہے اور یہ نسخہ ۱۲۶۸ھ کا ہے۔ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

رسالہ نظم صرف میر: میر سید شریف جرجانی کے مشہور رسالہ "صرف میر" کو شاہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ منظوم کر دیا ہے، بلکہ اس میں بہت سی اصلاحات بھی کی ہیں اور اس میں اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ رسالہ شاہ صاحب نے اپنے فرزند شاہ عبدالعزیز کے لیے اس وقت لکھا تھا، جب انھوں نے صرف کے قواعد پڑھنا شروع کیے تھے۔ اس بات کی صراحت رسالے کے دیباچہ میں کی گئی ہے۔ یہ رسالہ کل ۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت ۱۲۵۵ھ کی ہے اور خط نستعلیق میں ہے۔ یہ رسالہ متعدد بار طبع ہو چکا ہے۔

تحریر اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف: یہ ایک مشہور رسالہ ہے، جس میں شاہ صاحب نے اپنے حالات قلمبند کیے ہیں۔ یہ صرف ۴ اوراق پر مشتمل ہے اور تیرھویں صدی کا نسخہ ہے۔ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔

●●

پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی
خدابخش لائبریری، پٹنہ

تصحیح و اضافہ

مسامحات مرآۃ العلوم (جلد سوم)

(اس سلسلے کے لئے ملاحظہ ہو جرنل ۳۰)

(۱۲۶) صفحہ ۱۹۔ کتاب نمبر ۴۴۰۵، نام کتاب خسرو شیریں۔ فہرست میں سطور کی تعداد ۱۵ بتائی گئی ہے۔ یہ سطر علی ہر۔ حاشیہ پر ۳۰ سطریں ہیں۔ اس کا اضافہ کیجیے۔ مزید برآں کیفیت میں اس کی بھی اطلاع ضروری ہے کہ اس میں ۷ تصاویر مختلف اوراق میں ہیں۔

(۱۲۷) صفحہ ۳۵۔ کتاب نمبر ۳۴۴۳، نام کتاب رباعیات عمر خیام۔ فہرست میں کتاب کے اوراق کی تعداد ۱۱۰ ظاہر کی گئی ہے۔ حالانکہ اس کی تعداد صرف ۱۰۱ ہے۔

(۱۲۸) صفحہ ۳۶۔ کتاب نمبر ۳۷۹۱، نام کتاب شاہنامہ دفتر چہارم۔ فہرست میں پر وگریس نمبر کا کالم خالی ہے۔ اس میں ۳۴۱۴ لکھئے۔

(۱۲۹) صفحہ ۵۳۔ کتاب نمبر ۳۴۶۹، نام کتاب مثنوی روم دفتر پنجم۔ فہرست میں اس کتاب کا سلسلہ وار نمبر اور کتاب نمبر بھی نمایاں طور پر پڑھے نہیں جاتے ان کو بالترتیب ۲۶۷۸ اور ۳۴۶۹ پڑھیے۔

(۱۳۰) صفحہ ۵۶۔ کتاب نمبر ۲۹۷۶، نام کتاب مجموعہ اشعار۔ فہرست میں نمبر کتاب ۲۹۷۲ غلط ہے۔ یہ صرف مجموعۂ اشعار ہی نہیں، اس میں نثر کے بھی کچھ حصے ہیں، جو مختصر قصّوں پر مشتمل ہیں۔ کیفیت کے کالم میں اس کا اندراج ہونا چاہیے۔

(۱۳۱) صفحہ ۶۲۔ کتاب نمبر ۲۹۲۲، نام کتاب پند نامہ، فہرست نگار نے مصنف کا نام فرید الدین عطار بتایا ہے۔ حالانکہ نہ یہ پند نامہ ہے اور عطار کی تصنیف۔ یہ ایک مناجات ہے مصنف کا نام معلوم نہیں۔

(۱۳۲) صفحہ ۶۵۔ کتاب نمبر ۲۹۰۷، نام کتاب مجموعہ غزلیات مع تحفۃ النصائح۔ یہ کتاب مجموعۂ غزلیات ہی نہیں بلکہ اس میں قطعات، رباعیات اور دیگر اصناف سخن مختلف شعرا کے ہیں۔ مزید براں اردو شعرا کے بھی کچھ کلام ملتے ہیں۔ مثلاً: سودا وغیرہ اور اس کے ساتھ تحفۃ النصائح، مصنفہ یوسف گدا بھی ہے جیسا کہ فہرست سے ظاہر ہے۔ صرف اسی کتاب کا کاتب غلام نبی ہے اور تاریخ کتابت ۱۲۱۶ھ۔ پوری کتاب ایک بیاض ہے اور طرز تحریر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لیے فہرست

میں پوری کتاب کو ایک ہی کاتب کے نام سے منسوب کر دینا غلط ہوگا اور تاریخ کتابت کی تعیین بھی آسان نہیں۔ کتابت کی تاریخ فہرست میں بارہویں صدی ظاہر کی گئی ہے۔ "تحفۃ النصائح" کی تاریخ کتابت تو ۱۲۱۵ھ ہے (یعنی تیرھویں صدی) قیاس چاہتا ہے کہ پوری بیاض تیرھویں صدی کی مرتب کردہ ہو۔

(۱۳۳) صفحہ ۷۶۔ کتاب نمبر ۴۴۴۴، نام کتاب "مجموعۂ غزلیات"۔ اس کتاب کا نام غلط اندراج ہوا ہے۔ کیفیت کے کالم میں یہ اطلاع ہے کہ "مشتمل بر کلام قاسم دیوانہ، علوی، رفیع، افقع"۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان شعرا کے سوا اور کسی کا کلام نہیں۔ حالانکہ اس میں ان شعرا کے علاوہ اور بھی بہتر سے شعرا کے انتخابات ملتے ہیں مثلاً صائب، ناصر علی، اور دیگر شعرا بھی موجود ہیں۔ اس لیے اس کا صحیح نام "بیاض" ہونا چاہیے۔

(۱۳۴) صفحہ ۷۹۔ کتاب نمبر ۳۰۵۲، نام کتاب "انتخاب غزلیات"۔ فہرست نگار نے اس کو غزلیات سمجھا ہے حالانکہ یہ ترجیع بند ہے۔ یہ اطلاع بھی دینا تھی کہ یہ کتاب ۳۰۵۲ کے ساتھ مجلد ہے۔

(۱۳۵) صفحہ ۷۹۔ کتاب نمبر ۲۹۶۹، نام کتاب "افسانۂ دل و جان"۔ فہرست میں نہ کاتب کا نام ہے نہ مصنف کا۔ مصنف کا نام منعم اور کاتب کا نام راؤ گلاب سنگھ کھتری پوری ساکن قصبہ پرگنہ مقصود۔

(۱۳۶) صفحہ ۷۹۔ کتاب نمبر ۲۹۶۱/۲، نام کتاب "محاربۂ اکبر شاہ" فہرست نگار نے اس مثنوی کے اوراق کی تعداد ۱۸ بتائی ہے۔ دراصل یہ ایک بیاض بتائی جس میں "۱۰۱" اوراق ہیں اور ان میں زیادہ تر نثر کی انتخابات ہیں۔ صرف ۳ صفحوں میں مثنوی کا انتخاب ہے جس کا عنوان ہے "داستان محاربہ اکبر بادشاہ" تصنیف فیضی فیاضی۔

(۱۳۷) صفحہ ۸۰۔ کتاب نمبر ۳۵۵۶، نام کتاب "ثمر مراد"، کیفیت کے خانہ میں یہ عبارت "۵۵۵۳ کے ساتھ مجلد" اضافہ کیجئے۔

(۱۳۸) صفحہ ۸۱۔ کتاب نمبر ۳۸۸۰، نام کتاب "حربۂ حیدری"۔ فہرست میں مصنف کا نام محمد رفیع باذل مشہدی لکھا ہے۔ حالانکہ باذل اس کا مصنف نہیں۔ وہ "حملۂ حیدری" کا مصنف ہے۔ یہ تصنیف محمد احسن نامی ایک شاعر کی ہے جس نے اسے باذل کے تتبع میں لکھا تھا۔ کتاب مذکور کو باذل کی تصنیف سمجھنا غلط ہے۔

(۱۳۹) صفحہ ۸۲۔ کتاب نمبر ۳۸۷۳، نام کتاب "دستور العشاق"۔ کتاب کا نمبر ۳۸۷۲ ہونا چاہیے۔

اور دستور العشاق کے ساتھ " و دیگر مثنویاں" اضافہ کیجئے۔

(۱۴۰) صفحہ ۸۳ - کتاب نمبر ۲۴۳۲، نام کتاب دیوان آزاد۔ فہرست میں مصنف کا نام مرزا سلطان محمد آزاد سرخوش لکھا ہے۔ حالانکہ جب تخلص آزاد ہے تو سرخوش کا اضافہ غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔ فہرست نگار نے دیباچہ نہیں دیکھا اس میں دیوان کی تعریف میں " سرخوشی بخش دماغ حریفان و ظریفان" لکھا ہے۔ سرخوشی تخلص نہیں۔

(۱۴۱) صفحہ ۸۳ - کتاب نمبر ۲۵۸۲، نام کتاب دیوان حسن، اس کتاب کو میر غلام حسن کی تصنیف قرار دیا گیا ہے۔ اور میر غلام حسن سے فہرست نگار کی مراد میر حسن دہلوی صاحب مثنوی سحر البیان ہیں۔ کیونکہ کیفیت کے خانہ میں برای نسخہ دیگر کے لئے کتاب نمبر ۱۹۰۲ کا صاف حوالہ دیا گیا ہے جبکہ خود کتاب نمبر ۱۹۰۲ کا مصنف بھی نیز اس دیوان اور صفحہ ۸۴ کے مندرج دیوان (کتاب نمبر ۳۷۲۴) کا مصنف بہار کا ایک مشہور شاعر میر شاہ غلام حسن مجیبوی (گیا) ہے۔

(۱۴۲) صفحہ ۸۳ - کتاب نمبر ۲۶۰۶، نام کتاب دیوان برہمن مع کلام قدسی و عرفی۔ فہرست میں سال کتابت سنہ ۱۹ جلوس محمد شاہ مطابق سنہ ۱۱۴۰ھ لکھا ہے۔ حالانکہ ۱۱۴۰ھ غلط ہے۔ کتاب میں ۱۱۴۹ھ صحیح درج ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کتاب میں جو قدسی و عرفی کے کچھ کلام شامل ہیں وہ کسی دوسرے کاتب کے لکھے ہوئے ہیں اور ان کا سنِ کتابت معلوم نہیں۔

(۱۴۳) صفحہ ۸۳ - کتاب نمبر ۲۸۸۸، نام کتاب دیوان آفریں۔ فہرست میں اس کا نام غلط مندرج ہے۔ یہ دیوان نہیں بلکہ مستقل ایک مثنوی ہے جو 'کاشی' کی تعریف میں ہے۔ اس کا خط بھی نستعلیق نہیں بلکہ شکستہ آمیز تعلیق ہے۔ فن کے کالم میں غزلیات کی بجائے مثنوی چاہیئے۔ مصنف کا نام لال فریں نہیں بلکہ 'آفریں' ہے۔

(۱۴۴) صفحہ ۸۴ - کتاب نمبر ۳۴۳۰، نام کتاب 'دیوان سلطان'، فہرست میں کتابت کے کالم میں جگہ خالی ہے، اس میں 'صاحب عالم' چاہیئے۔ سنہ کتابت ۱۲۵۳ھ بھی غلط اندراج ہے، ۱۲۳۵ھ چاہیئے۔

(۱۴۵) صفحہ ۸۴ - کتاب نمبر ۳۵۳۰، نام کتاب 'دیوان ذرہ'۔ سنہ کتابت کے کالم میں تیرہویں صدی ہے مگر فہرست نگار نے خود بتایا ہے کہ یہ شاعر کا دستخطی نسخہ ہے اور شاعر نے تاریخ کتابت سلخ ذی الحجہ میں لکھی ہے جس سے ۱۲۳۷ھ مستخرج ہوتا ہے۔ کالم میں یہی سنہ ہونا چاہیئے۔

(۱۴۶) صفحہ ۸۷۔ کتاب نمبر ۳۴۴۰، نام کتاب "دیوان ضمیری" فہرست میں کاتب کا نام موسیٰ کاظمی۔ صحیح نام موسیٰ کاظم۔ کتابت کی تاریخ بھی غلط مندرج ہے۔ ۱۲۳۰ھ کی جگہ ۱۲۳۵ھ چاہیے۔ خط نستعلیق نہیں بلکہ شکستہ آمیز ہے۔ فن کے کالم میں غزلیات غلط۔ دیوان میں قصاید اور رباعیات بھی ہیں۔

(۱۴۷) صفحہ ۸۸۔ کتاب نمبر ۲۲۶۰، نام کتاب "دیوان فطرت" اس کتاب کا پروگرس نمبر ۵۶۳۴ نہیں بلکہ ۵۶۳۶ ہے۔

(۱۴۸) صفحہ ۸۹۔ کتاب نمبر ۳۴۵۴، نام کتاب "دیوان کاشفی" مصنف کے نام کے ساتھ "کلپی" لکھا ہے، صحیح "کالپی"، سنہ کتابت بجائے تیرھویں صدی کے بارھویں صدی چاہیے۔

(۱۴۹) صفحہ ۸۹۔ کتاب نمبر ۷۷۶۶، نام کتاب دیوان کامل۔ فہرست میں کاتب کا نام "رمضان علی" بتایا ہے۔ صحیح "افضل علی"۔

(۱۵۰) صفحہ ۹۰۔ کتاب نمبر ۵۴۹۳، نام کتاب دیوان مشربی۔ فہرست میں سنہ کتابت ۱۱۰۰ھ غلط ہے۔ صحیح ۱۱۵۷ھ۔

(۱۵۱) صفحہ ۹۲۔ کتاب نمبر ۲۸۱۳، نام کتاب رام چند، فہرست میں رام چند۔ کتاب کا نام غلط ہے۔ اس کو یا تو مثنوی رام چند پڑھیے یا جو اس مثنوی کا نام "تصویر محبت" ہے اس کو اضافہ کیجیے۔ فہرست میں کاتب کا نام نہیں لکھا، حالانکہ کتاب میں کاتب کا نام محمد حسین خاں مرقوم ہے۔ سنہ کتابت فہرست میں بارھویں صدی بتایا گیا ہے حالانکہ اس کی کتابت ۱۲۶۶ھ میں ہوئی (جو تیرھویں صدی ہے)۔

(۱۵۲) صفحہ ۹۲۔ کتاب نمبر ۳۵۵۲، نام کتاب رفعت۔ کتاب کا نام "رفعت" نہیں بلکہ یہ مثنوی رفعت ہے اور اس کا نام "انجمن خلوت" ہے۔ کاتب کا نام شیخ غلام محمد لکھا ہے جو کاتب کا نام نہیں بلکہ شاعر کے جال کا نام ہے جو حقیقتاً کاتب نہ تھے۔ اس مثنوی کا ایک اور نسخہ بھی ہے۔ دیکھیے فہرست صفحہ ۹۹ کتاب نمبر ۳۱۲۲۔

(۱۵۳) صفحہ ۹۲۔ کتاب نمبر ۳۸۶۳، نام کتاب زہرۃ الفواد۔ دراصل یہ کلیات علیم کا جزو اول ہے۔ فن کے کالم میں اس کو مثنوی میں شمار کرنا غلط ہے۔ خود فہرست نگار کی اطلاع جو کیفیت میں ہے اس سے اس کی کیفیت ظاہر ہے۔

(۱۵۴) صفحہ ۹۳۔ کتاب نمبر ۳۴۳۰، نام کتاب صلفی نامہ۔ فہرست میں صلفی نامہ اور شاعر کا نام صلفی خاں دونوں غلط لکھا ہے۔ کتاب کا نام "صفی نامہ" ہے۔ شاعر کا نام معلوم نہیں۔ نواب صفی خاں کے محاربے کی داستان منظوم کی گئی ہے۔ فہرست میں کتابت کا سنہ تیرھویں صدی دیا ہے۔ حالانکہ یہ کتاب عہد اورنگ زیب میں جلوس ۴۶ سال میں لکھی گئی جو مطابق ہے ۱۱۰۴ھ کے۔

(۱۵۵) صفحہ ۹۳۔ کتاب نمبر ۳۳۵۷، نام کتاب قصاید بخاری۔ فہرست میں قصاید بخاری کے اندراج سے شبہ ہو سکتا ہے کہ 'بخاری' شاعر کا تخلص ہے۔ بخاری ان کے نام کا جزو تو ہے مگر تخلص مجروح ہے۔ اس لیے کتاب کا صحیح نام 'قصاید مجروح' ہونا چاہیے تھا

(۱۵۶) صفحہ ۹۳۔ کتاب نمبر ۳۳۹۷، نام کتاب غزلیات و تحریات (مختلف) فہرست میں اس کتاب کے صفحات کی تعداد ۱۰۰ بتائی ہے اور سطور کی ۱۶۔ حالانکہ پوری کتاب "۱۵۹" اوراق پر مشتمل ہے اور سطور کی تعداد بھی مختلف ہے۔ اس کتاب میں راجہ الفتی کی جو فارسی اور اردو غزلیات ملتی ہیں وہ صرف پندرہ اوراق میں ہیں۔ باقی کتاب ساری کی ساری مختلف نثری تحریرات پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کو بیاض سمجھنا چاہیے، نہ کہ غزلیات کا مجموعہ۔

(۱۵۷) صفحہ ۹۴۔ کتاب نمبر ۲۹۸۸، نام کتاب قصاید جعفر۔ یہ کتاب نہ صرف قصاید پر مبنی ہے بلکہ اس میں قطعے اور چند فارسی اور اردو کی غزلیں بھی ہیں۔ اس کتاب کا عنوان 'کلام جعفر' لکھنا تھا۔

(۱۵۸) صفحہ ۹۴۔ کتاب نمبر ۴۰۶۶، نام کتاب کاغذ نامہ۔ فہرست میں مصنف کا نام نہیں لکھا۔ مصنف کا نام معلوم نہیں مگر راقم تخلص ہے۔ فن کا کالم فہرست میں خالی ہے۔ یہ غزلیات کا مجموعہ ہے۔ ردیف "کاغذ"

(۱۵۹) صفحہ ۹۵۔ کتاب نمبر ۲۸۹۵، نام کتاب کلیات کاظم۔ شاعر کا تخلص کاظم نہیں بلکہ کریم ہے اس لیے اس کتاب کا صحیح نام کلیات کریم ہے۔

(۱۶۰) صفحہ ۹۶۔ کتاب نمبر ۳۳۷۲، نام کتاب کلیات نوا۔ فہرست نگار نے پوری کتاب کو 'کلیات نوا' سمجھا۔ حالانکہ اس کے آخر میں سعادت اثر سعادت کا بھی کلام ہے۔ پوری کتاب کا کاتب شیو پرشاد ہے جو سعادت کا شاگرد ہے۔ فہرست میں اس کتاب کا سال کتابت ۱۲۷۰ھ قرار دیا ہے' حالانکہ یہ کسی مولود سعادت کی تاریخ ہے۔ کتابت کا سال ۱۸۶۳ء ہے جو مطابق ہے ۱۲۸۰ھ کے۔

(۱۶۱) صفحہ ۹۶۔ کتاب نمبر ۳۵۰۳۵، نام کتاب کوہ قاف، فہرست میں اس کا اندراج مثنوی کی حیثیت سے ہے۔ حالانکہ یہ غزلوں کا مجموعہ ہے جس میں ہر شعر کے آخر کا حرف "ق" ہے۔

(۱۶۲) صفحہ ۹۷۔ کتاب نمبر ۳۳۳۶، نام کتاب گنج شایگاں۔ مصنف کے نام کے ساتھ لفظ 'عظیم آبادی' کا اضافہ کیجیے۔ اس کا ایک نسخہ اور بھی ہے جس کا نمبر ۲۶۶۳ ہے (دیکھیے صفحہ ۹۸ فہرست ہٰذا)

(۱۶۳) صفحہ ۹۷۔ کتاب نمبر ۱۳۸۷، نام کتاب تجلیات (نسخہ نفیسہ)۔ فہرست نگار نے نسخہ نفیسہ کتاب کا

نام سمجھا حالانکہ یہ کلمۂ توصیفی کاتب کا جملہ ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام "دہ باب" بھی ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ کتاب نمبر ۵۰۶، کیفیت کے خانہ میں اضافہ کیجیے۔

(۱۶۴) صفحہ ۹۸۔ کتاب نمبر ۲۳۸۷، نام کتاب مثنوی مجہول الاسم۔ فہرست نگار نے صرف ایک مثنوی سمجھ کر کیفیت میں ناقص الطرفین درج کر دیا۔ حالانکہ اس کتاب میں تین مثنویاں الگ الگ ہیں۔ ایک مثنوی تخلص کے ساتھ ہے۔ دوسری مثنوی ساقی نامہ کے طور پر ہے مصنف نامعلوم، تیسری مثنوی دستور العشاق نام کی ہے۔ یہ الآخر ناقص الاول ہے۔

(۱۶۵) صفحہ ۹۸۔ کتاب نمبر ۲۲۵۲، نام کتاب 'مثنوی'، یہ مثنوی سرے سے فارسی زبان میں ہے ہی نہیں۔ اس کا اندراج اردو کی فہرست میں ہونا چاہیے تھا۔

(۱۶۶) صفحہ ۹۸۔ کتاب نمبر ۲۳۷۹، نام کتاب مجموعۂ اشعار و مکتوبات۔ نام سے اشتباہ ہو سکتا ہے کہ شاید پوری کتاب نظم میں ہو۔ حالانکہ یہ کتاب تقریباً ساری کی ساری نثر میں ہے اور جا بجا ناگری حروف میں بھی مطالب بیان کیے گئے ہیں اور ضمناً چند اوراق نظم فارسی میں ہیں جن کی الگ سے کوئی حیثیت نہیں۔ اس کتاب کا اندراج فارسی منظومات کے سلسلہ میں غلط ہے۔

(۱۶۷) صفحہ ۹۸۔ کتاب نمبر ۲۱۷۶، نام کتاب 'مجمع الحقایق'، یہ کتاب کا نام صحیح نہیں۔ اس میں چند مختلف مثنویاں ہیں۔ مصنف کا نام صرف عبداللہ نہیں بلکہ عبداللہ عمر ہے اور تخلص سابق۔ اس کتاب کا صحیح نام 'مثنویات سابق' ہونا چاہیے۔

(۱۶۸) صفحہ ۹۸۔ کتاب نمبر ۲۳۵۰، نام کتاب مخزن الواصلین۔ فہرست میں مصنف کا تخلص مظہر الحق لکھا ہے۔ یہ تخلص نہیں بلکہ عرفیت ہے۔ فہرست میں اس کتاب کو مثنوی بتایا ہے۔ حالانکہ یہ منظوم تاریخیں بزرگان دین وغیرہ کی ہیں جو قطعات اور مثنویوں کی شکل میں ہیں۔ ان کو محض مثنوی سمجھنا نادرست ہے۔ یہ نسخہ کسی مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔ فہرست میں اس کا سال کتابت ۱۲ویں صدی قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کی کتابت ۱۹۵۶ء کی ہے، جو چودھویں صدی کے مطابق ہے۔ فہرست میں کاتب کا نام نہیں۔

(۱۶۹) صفحہ ۹۹۔ کتاب نمبر ۲۰۵۹، نام کتاب مثنوی نفی۔ کتاب کا اصلی نام 'تیمور نامہ' ہے اور اس کا مصنف ہاتفی۔ کیفیت کے خانے میں "ناقص الآخر" بڑھائیے۔ اس فہرست میں اس مثنوی کے ایک اور نسخہ کا اندراج موجود ہے۔ کتاب نمبر ۲۳۸۴ صفحہ ۶۴

(۱۷۰) صفحہ ۱۰۰۔ کتاب نمبر ۳۵۱۹ نام کتاب نور نامہ۔ فہرست میں مصنف کا نام شیخ پیر محمد کرنوی درج ہے۔ حالانکہ مصنف کا پورا نام محمد عبد الحی ابن قاضی سالم کیرانوی انصاری ہے۔ فہرست میں تعداد اوراق ۷۹ بتایا ہے۔ حالانکہ تعداد ۶۹ ہے۔

(۱۷۱) صفحہ ۱۰۱۔ کتاب نمبر ۳۸۳۰/۴ نام کتاب بہارستان۔ دراصل اس کتاب کا نام بہارستان آچار ہے۔ یہ مصنف بلگرام کے ہیں اور تخلص شوقی۔ آچار کی صنعت میں غزلیں اور چند مثنویاں ہیں۔

(۱۷۲) صفحہ ۱۰۲۔ کتاب نمبر ۲۹۶/۴ نام کتاب مثنوی۔ فہرست میں اس مثنوی کے صفحات تو ٹھیک لکھے ہیں مگر سطور کی تعداد بجائے ۲۲ کے ۱۱ بتایئے۔

(۱۷۳) صفحہ ۱۰۲۔ کتاب نمبر ۳۹۳۲/۹ نام کتاب "مولود شریف معہ غزوات و معجزات"۔ اسی کتاب کا اندراج اسی فہرست کے صفحہ ۱۹۲ پر موجود ہے۔ دونوں جگہ اس کتاب کا کوئی مقام نہیں۔ یہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ اردو میں ہے۔

(۱۷۴) صفحہ ۱۰۲۔ کتاب نمبر ۳۵۹۸/۱۹ نام کتاب "نظم" مصنف کا نام شیخ علی حزیں۔ فن کے کالم میں مثنوی لکھے۔

(۱۷۵) صفحہ ۱۰۲۔ کتاب نمبر ۳۹۹۶/۸ نام کتاب "نظم"۔ یہ نظم فارسی میں نہیں بلکہ ایک مناجات منظوم بزبان اُردو ہے جو ایک فارسی نثر کے رسالے کے ساتھ منقول ہے۔ اب جو نئی جلد بندی ہوئی ہے اس میں اس کا نمبر ۳۹۹۶/محوی ہے۔

(۱۷۶) صفحہ ۱۰۲۔ کتاب نمبر ۲۸۷/۲ نام کتاب "نظم" فہرست نگار نے مصنف کا نام نعمت خاں عالی لکھا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عالی کے اشعار ہوں گے۔ حالانکہ اس کے صرف دو اشعار ہیں۔ پھر ایک رباعی کسی دوسرے کی ہے۔ پھر کئی اشعار "سوزبندی" کے عنوان سے ہیں۔ پھر دو شعر صائب کے ملتے ہیں۔ چند فارسی پہیلیاں ہیں۔ ان کو نعمت خاں عالی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سارے منتخبات نثر کی ایک کتاب "وقایع جہانگیر بادشاہ" کے آخر میں ثبت ہیں۔

(۱۷۷) صفحہ ۱۰۴۔ کتاب نمبر ۳۱۴۲ نام کتاب ادب فارسی۔ کیفیت کے خانہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب مولانا نعیم، شیخ محمد علی خواجہ سنبلی وغیرہ کے کلام پر مشتمل ہے۔ لیکن یہ اطلاع صحیح نہیں۔ یہ بیاض نثری اقتباسات پر مشتمل ہے۔

(۱۷۸) صفحہ ۱۰۴۔ کتاب نمبر ۳۴۰۳ نام کتاب بیاض اشعار۔ یوسف خاں کو کاتب بتلایا گیا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

یوسف خاں کاتب نہیں بلکہ یہ کتاب اس کی فرمائش پر مرتب کی گئی ہے۔

(۱۷۹) صفحہ ۱۰۵ - کتاب نمبر ۳۴۸۳ ، نام کتاب بیاض ۔ مصنف کے خانہ میں سید ابن مرتضیٰ بلگرامی لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ یہ بیاض امیر حیدر کی ملکیت ہے اور انھیں کی لکھی ہوئی ہے جسے انھوں نے سید ابن مرتضیٰ بلگرامی کو عنایت کی تھی۔

(۱۸۰) صفحہ ۱۰۵ - کتاب نمبر ۳۴۲۷ - نام کتاب بیاض (متفرقات) کیفیت کے خانہ میں 'نسخہ جات' کا اضافہ کیجیے۔

(۱۸۱) صفحہ ۱۰۵ - کتاب نمبر ۳۴۶۵ - نام کتاب بیاض (متفرقات) تعداد اوراق ۳۵ غلط ہے یہ بیاض صرف ۳۴ اوراق پر مشتمل ہے۔

(۱۸۲) صفحہ ۱۰۶ - کتاب نمبر ۳۳۸۷ ، نام کتاب بیاض و نسب نامہ خدا بخش خاں مرحوم ، کاتب کے خانہ میں محمد بخش لکھا ہے ، جو غلط ہے۔ اس کا کاتب 'تسلیم' ہے۔

(۱۸۳) صفحہ ۱۰۶ - کتاب نمبر ۳۴۱۳ ، نام کتاب بیاض رنگین ۔ اس بیاض میں مثنوی صاحب عالم مارہروی ، بھی شامل ہے۔ اسمائے کتب کے خانہ میں اس کا اضافہ کیجیے۔

(۱۸۴) صفحہ ۱۰۷ - کتاب نمبر ۲۵۴۸ ، نام کتاب لطائف الخیال ، مصنف کے خانہ میں محمد نصیر نصرت لکھا ہے جو غلط ہے۔ یہ اس کتاب کا کاتب ہے۔ یہ بیاض مرزا صالح ناصر کی مرتب کردہ ہے۔

(۱۸۵) صفحہ ۱۰۷ - کتاب نمبر ۳۵۰۵ ، نام کتاب مجموعۂ نظم ۔ تعداد اوراق ۱۰۹ غلط ہے۔ یہ کتاب ۱۱۴ اوراق پر مشتمل ہے۔

(۱۸۶) صفحہ ۱۳۶ - کتاب نمبر ۲۸۷۱ ، اس مجلد میں چار مخطوطات ہیں۔ فہرست میں صرف تین ہی کا ذکر ہے فہرست میں ان کے نام یہ ہیں : (۱) ۲۸۷۱/۴ ، نام کتاب 'نصاب بدیع' ۔ (۲) ۲۸۷۱/۳ ، نام کتاب 'نصاب الصبیان' ، (۳) ۲۸۷۱/۲ ، نام کتاب 'نصاب مثلث' ، ان تینوں کتابوں کے علاوہ ایک کتاب اردو بھی ہے اس کا نمبر ۲۸۷۱/۱ ہے اور اس کا نام 'نصاب طفلاں' ہے۔ مصنف کا نام ملا سعد ۔ اوراق کی تعداد ۳۳ اور سطور ۱۵ ۔ مزید براں نصاب بدیع کے مصنف کا نام فہرست میں نہیں۔ بدیعی لکھیے۔ کاتب کا نام بھی نہیں حسین بخش ساکن رمضان پور لکھیے۔ اسی طرح نصاب مثلث کے مصنف کا نام بھی فہرست میں نہیں۔ بدیعی لکھیے اور سنہ کتابت ۱۲۲۵ فصلی ۔

نواب زادہ وارث اسمٰعیل
گذری پٹنہ سٹی

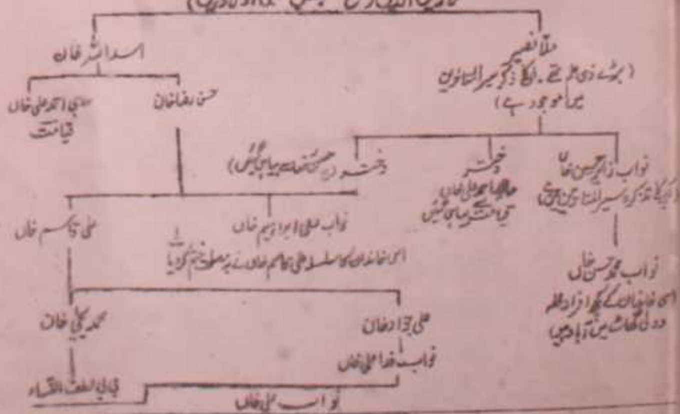
علی ابراہیم خاں کے سلسلہ میں : استدراک

آپ کی عنایت سے مجھے جرنل کا شمارہ نمبر ۱۲ خدا بخش لائبریری دیکھنے کا اتفاق ہوا جس میں نواب علی ابراہیم خاں بہادر کا مختصر شجرہ دیکھا۔ اس میں ایک غلطی ہو گئی ہے جس کے متعلق اپنے خیال کا اظہار کرتا ہوں۔ آپ میری اس جسارت کو معاف فرمائیں گے۔

یہ خاندان حضرت شمس الدین فریاد رس سے متعلق ہے۔ ایک بزرگ شیخ مجھن اودھ سے بہار شیخپورہ ضلع مونگیر آئے جن کی اولاد میں ملا نصیر تھے جن کا تذکرہ سیر المتاخرین میں نواب سید غلام حسین خاں طباطبائی نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے۔

اس جرنل میں علی قاسم خاں کے دو صاحبزادوں میں صرف ایک صاحبزادے محمد یحییٰ خاں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرے صاحبزادے علی جواد خاں کا ذکر نہیں ہے اور یحییٰ خاں کے صاحبزادے کا نام جابر علی خان تحریر کر دیا گیا ہے جو غلط ہے۔ جابر علی خاں نواب علی خاں کے پوتے کا نام تھا جن کا انتقال ستمبر ۱۹۴۷ کو پٹنہ میں ہوا۔ ان کی اولادیں فیض خاندان میں ہوئی پٹنہ سٹی۔ مسٹر سید علی اشرف جو نواب سٹر کے اپنے پھوپھا تھے اور راقم کی اہلیہ کے حقیقی خالو۔ یہ شجرہ اس خاندان کا شیخ مجھن سے شروع کرتا ہوں

ملا زین الدین (شیخ مجھن کی اولاد میں)



استمعیل آگے صفحات پر ملاحظہ ہو۔

نواب علی تمان بہادر

(اُن کو حکومت ہند نے خطاب نواب ۱۸۸۸ء میں عطا فرمایا)

نواب زادہ دلدار علیخاں
(خطاب بہادر کا ۱۹۲۱ء میں خطاب ملا)

نوابزادہ زوار علی خاں

نوابزادہ ابراہیم علیخاں

نوابزادہ نثار علی خاں

محمد باقر علیخاں

جابر علی خاں

رضا علی خاں

وقار سلمہٗ

علی جواد خاں

دختر

علی قاسم خاں

ام رباب
زوجہ مصطفےٰ علی خاں

دختر
زوجہ محمد باقر علی خاں

رضا علی خاں

دختر
زوجہ سید ذکی حسن ددہ جگر
پسر ڈاکٹر وارث انجینیر

مہر افروز بیگم
زوجہ سید قاسم علی اسمٰعیل
پھوپھی
خلف دوم وارث اسمٰعیل

اولاد حاجی احمد علی خان قیامت

خادم حسین خان

محمد علی خان
داماد نواب علی عظیم خان ناظم خانہ

نور الحسن خان

سعادت علی خاں

وحید النساء بیگم

امام باندی بیگم زوجہ سعادت علی خاں

واجد علی خاں
بمبئی میں رحلت کی ۱۹۴۰ء میں
اور یہ خاندان بھی ختم ہوگیا

جعفر حسن خان فیقی

مہدی علی خان مہدی

کاظم علیخاں
عنایت حسین خاں عرف ببن صاحب
چھوٹی بیگم زوجہ ہاشم حسن حمزہ
مریم صغریٰ بیگم زوجہ وارث علی اسمٰعیل
سید عامر اسمٰعیل

ہادی خاں

احمد علی خاں عرف احمد نواب
مصطفےٰ علی خاں
مہر آرا بیگم
زوجہ سید قاسم علی اسمٰعیل
محبوب علی اسمٰعیل

تقی علی خاں

احمد علی خان

حامد علی خاں — مصطفیٰ علی خاں — اولاد محمد علی خاں

جعفر حسن خاں فیض — وحیدی بیگم زوجہ میر سعادت علی — نور الحسن خاں

جعفر حسن خاں فیض
مہدی علی خاں
ہادی علی خاں
احمد علی خاں
مصطفیٰ علی خاں
مہر آرا بیگم
زوجہ سید قاسم علی خاں
خلف سید [illegible] وکیل

نور الحسن خاں
سعادت علی خاں
شوہر امام باندی بیگم

وحیدی بیگم زوجہ میر سعادت علی
سید حسن — سید علی — امام باندی بیگم — سید حسین

سید حسن
سید محمد حسین — سید محمد باقر
سید محمد حسین: تقی حسن — ذکی حسن

سید علی
سید حیدر — سید مرتضیٰ
سید مرتضیٰ: محمد سجاد — محمد عباس
محمد عباس: سید محمد، راقم کے چچا تھے، لاولد تھے
محمد سجاد: خان بہادر علی سجاد — محمد مجتبیٰ
محمد مجتبیٰ: سید علی مجتبیٰ
خان بہادر علی سجاد: اسد علی — احمد اسمٰعیل

امام باندی بیگم
واجد علی (لاولد)

سید حسین
صغریٰ بی بی
زوجہ مولوی عبد العزیز
واقف
صغریٰ وقف اسٹیٹ بہار شریف

اس موقع پر ایک بات اور واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کیوں علی قاسم خاں نے اصل ورثا نواب علی ابراہیم خاں کو محروم کیا اور اس کا کیا سبب تھا۔ چونکہ نواب صاحب مرحوم ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس سے قبل سرکار مرشد آباد کی ملازمت میں تھے۔ نواب میر قاسم کے زمانہ میں دیوان کل یعنی وزیر اعظم کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ بعد زوال میر قاسم دیوان بنگال ہوئے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہوئے اور بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز رہے اس نے جو زمینداری متعلقہ حکومت سے حاصل کیا تھا وہ اپنے بھائی علی قاسم خاں کے نام کر دیا چار پرگنہ بست ہزاری تھا جو ۲۰ ہزار بیگھہ کا پرگنہ تھا پرگنہ [illegible] مونگیر میں اور دو پرگنہ ضلع پٹنہ و گیا میں تھا ایک راجگیر پرگنہ اور دوسرا میرے دماغ میں محفوظ نہیں ہے ان پرگنوں کی آمدنی دو لاکھ سالانہ سے زیادہ تھی چونکہ اس کا انتظام علی قاسم خاں کرتے تھے اور نواب صاحب بنارس میں مقیم تھے لہٰذا نواب علی ابراہیم کے بعد ان حاصل شدہ کل جائداد پر علی قاسم خاں قابض ہو گئے اور اصل وارث کو لاوارث کر دیا، یہ سبب ہے جو ان کی اولاد کو مجہول النسل کر دیا۔

حریف ہاں نو مسلم ہونے کے سبب شیخ صاحبان ان کے ہم پلّہ نہ قرار دیے گئے افسوس کی بات ہے۔ اودھ، یوپی اور بہار میں بہت سے خاندان ہندو سے مسلمان ہوئے۔ اودھ میں سب سے اوّل نمبر کا مسلم اسٹیٹ حسن پور ہے جس کی نسل ہندو ہے۔ یہ پہلے نمبر پر مسلم اسٹیٹ ہے، کل تعلقداروں میں اس کا نمبر ۹ ہے اور دیگر اسٹیٹ بھی ہیں مثلاً: کٹواں وغیرہ۔ یوپی میں چھتاری اور باگپت وغیرہ پھر یہ عذر ناقابل فراموش ہے بہار میں پرسوئی راج، پہلے ہندو خاندان بھومیہار برہمن کا تھا۔ آج ماشاء اللہ راجہ نصیر الدین حیدر خاں کا ہے جو وزیر حکومت ہیں۔
اس کے علاوہ اور بھی خاندان ہیں۔ تبدیل مذہب کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں شہر گیا میں اقبال الدولہ بہادر کا خاندان اور رانی سعیدہ کا خاندان موجود ہے۔ میری اس صاف بیانی کو معاف فرمائیں گے۔ سچ بات عرض کرنے میں تقیہ نہیں کرتا بلکہ صاف بیان کرتا ہوں۔

مجھے چند خاص تعلق اس خاندان سے ہیں۔ سب سے پہلا خاندانی سلسلہ یہ پیدا ہوا کہ راقم کی پھوپھی وحید النساء بیگم عرف شہزادی بیگم دختر جناب حاجی سید احمد حسین خاں عرف خورشید نواب صاحب مرحوم کی شادی سید محمد صاحب ابن سید عباس حسین صاحب متولی وقف اسٹیٹ ڈاکٹر امام باندی بیگم گلزار باغ پٹنہ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ دوسری شادی حسین آباد میں حلیمۃ النساء بیگم جو جسٹس سید سرور علی عرف سنجر نواب سلمہٗ کی حقیقی پھوپھی ہیں۔ دختر نواب زادہ سید اکبر حسین علی خاں کی شادی فروری ۱۹۲۳ء محمد جابر علی خاں خلف اصغر نواب زادہ دلدار علی خاں صاحب سے ہوئی جن کے صاحبزادے پانچ ہیں۔ محمد علی خاں، حیدر علی خاں، وقار علی خاں، انور علی خاں، صفدر علی خاں ہیں۔ داماد جسٹس سید سرور علی خاں عرف سنجر نواب سلمہٗ۔ خود میرے دو فرزند منجھلے اور چھوٹے کی شادی اسی خاندان میں ہوئی۔ منجھلے لڑکے سید قاسم علی اسمٰعیل سلمہٗ کی شادی مہر آرا بیگم بنت مصطفیٰ علی خاں ابن احمد نواب صاحب سے ۱۲ دسمبر ۱۹۵۶ء کو ہوئی اور چھوٹے لڑکے سید وارث علی اسمٰعیل سلمہٗ کی شادی مریم صغریٰ بیگم بنت سید مرحوم حسن جعفری برہم پورہ سے ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔ میری منجھلی بہو اور چھوٹی بہو کا بہت قریبی رشتہ ہے۔

مطبوعاتِ جدیدہ

دانشوری

ششماہی انکار، علیگڑھ (ایڈیٹر: ابوالکلام قاسمی) ۲۸۵ ص

پہلے شمارہ میں نئے عہد کے متعدد معتبر لکھنے والے اس میں موجود ہیں۔ دانشور کے فرائض پر ایک سمپوزیم کی بحث بھی اس میں شامل ہے (وحید اختر، محمد انس، شہریار، اقتدار عالم اور اطہر پرویز) اور ایک دلچسپ رپورتاژ "دکھن سانہیں ٹھار سنسار میں" (قرۃ العین حیدر) قابلِ ذکر ہے۔

دانشوری بحث سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں :-

— "دانش ور کی سیدھی سادی تعریف یہ ہوگی : وہ جو دانش کے لیے کسی نہ کسی عنوان سے اپنے کو وقف کرتے ہیں۔" (وحید اختر)۔

— "لغوی اعتبار سے دانش ور : انٹلکچول کے معنی ہیں : (۱) ذی فہم، دانا (۲) عقلی یا عقل سے متعلق (۳) عقل کے ذریعہ ادراک کیا ہو یا عمل میں لایا ہو (۴) قوتِ ادراک رکھنے والا (۵) عقل سے بھرپور (۶) اعلیٰ عقل رکھنے والا۔ ....میرے خیال میں انٹلکچول کی جامع تعریف یہ ہے کہ وہ صرف عقل کو اپنا رہنما مان کر سماج کی بہبودی کے لیے نئے نظریات پیش کرے یا نیا طرزِ فکر اختیار کرے، یا جانے بوجھے افکار پر نئی روشنی ڈالے۔" (محمد انس)

— ———— "ہندستانی معاشرہ میں دانشوروں کا رول دوسرے عوامل کے علاوہ بڑی حد تک دانشوری کی اس منفی روایت سے بھی متاثر ہوتا ہے، جو عہدِ قدیم سے لے کر موجودہ دور تک ہماری تہذیبی تاریخ میں جاری و ساری ہے۔ ابوالفضل نے اس روایت کی نشاندہی کرتے ہوئے آئینِ اکبری میں لکھا ہے کہ ہندستان میں تقلید کی تیز ہواؤں کے درمیان "چراغِ خرد" پر افسردگی طاری ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ "یہ لوگ (ہندستانی اہلِ دانش) تحقیق و استفسار کے رویہ کو کفر کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں انھوں نے اپنے والدین، اساتذہ، رشتہ داروں، دوستوں یا ہمسایوں سے جو کچھ سُن لیا ہے اس پر یقین رکھنے کو رضائے ایزدی تصور کرتے ہوئے ہر اس شخص کو جو ان باتوں پر یقین نہ رکھتا ہو، ملحد اور زندیق کا خطاب دینے میں عار نہیں کرتے۔" ابوالفضل کی تشخیص کے مطابق سولہویں صدی میں اہلِ دانش کے اسی رویہ کے نتیجہ میں سماجی نفاق خصوصاً مذہبی تفرقے اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ خونریزی کو "عادۂ دین داری" کا درجہ ملتا جا رہا تھا۔ ہمارے معاشرے کے اسی تقلیدی مزاج کا یہ نتیجہ تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ

ہندستانی دانشورانہ روایت سائنس اور دوسرے عقلی علوم سے یکسر بے تعلق ہوتی گئی، اور بالآخر سترھویں اور اٹھارویں صدی کے دوران جب یورپ میں نت نئی سائنٹفک دریافتوں کے ذریعہ صنعتی انقلاب کے لیے میدان ہموار ہو رہا تھا، ہندستان میں "چراغِ خرد" کی وہ ٹمٹماتی ہوئی لَو، جس کی افسردگی کا ابوالفضل نے مرثیہ پڑھا ہے اور موہوم ہوتی چلی گئی۔" (اقتدار عالم خاں)

"ہو سکتا ہے ایک انسان دانشمند ہو اور دانش ور نہ ہو، یعنی اپنی دانش کو کسی طرح ظاہر نہ کرتا ہو جس سے وہ معاشرہ جس میں وہ رہتا ہے، فیضیاب ہو۔ وہ صرف سوچتا ہو، غور و فکر کرتا ہو، اس کی فکر اپنی ذات تک محدود ہو، لیکن جب وہ میڈیم تلاش کر لیتا ہے تو دانشور ہو جاتا ہے۔" (اطہر پرویز)

" آج ہم ہندستان میں جس دور سے گزر رہے ہیں، یہ اقدار کی پامالی کا زمانہ کہا جا سکتا ہے، ہر شعبۂ زندگی میں یہی ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کے پاسبان جب چناؤ لڑتے ہیں تو بنیوں سے سود پر قرض لے کر لاکھوں روپے صرف کرتے ہیں اور منتخب ہو جانے کے بعد ایک سال کے اندر اندر اس قرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ ہمارے فلاحی کاموں کے ٹرسٹی آنریری خدمات انجام نہیں دیتے، اس کا معاوضہ بڑی رقموں کی شکل میں وصول کرتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں رشوت کا بازار گرم ہے۔ ہماری دانش گاہوں میں علم کی دوڑ نہیں، مناصب اور روپے پیسے کی دوڑ ہے۔ مدرسے کاروبار میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ کیا ایسے موقع پر صرف دانشورانہ باتیں کرنے سے کام بن سکتا ہے، جب ہر گھر میں چور گھسے ہوں تو کیا صرف 'جاگتے رہو' کہنے سے چور بھاگ جائیں گے؟" (ایضاً)

● ●

بے نام

ہجرت (پاک) کی شعری دانشوری

سرشار صدیقی، پاکستان کے معروف شاعر کا تیسرا مجموعہ کلام، جس کا ایک مختصر انتخاب اس کا بہترین تعارف ہوگا۔

محیط :۔

دیارِ طائف، گواہ رہنا / کہ تیری نامہرباں زمیں پر / وہ برگزیدہ ترین انساں / جو شفقتوں کے پیام لے کر / محبتوں کے سلام لے کر / کلام و شرحِ کلام لے کر / مثالِ موجِ صبا گیا تھا / یہ چاہتا تھا / کہ ریگ زاروں کے بطن میں / جو کلی نمو آشنا نہیں ہے / جسے خود اپنے وجود کا کچھ پتا نہیں ہے / وہ مسکرائے / وہ مسکرائے تو تپتے صحراؤں کو پیامِ بہار آئے۔

وہ برگزیدہ ترین انساں / یہ چاہتا تھا / ضمیرِ شب میں جو روشنی کی کرن چھپی ہے / خود اپنے ادراک کی نفی ہے / یقینِ عرفانِ ذات پائے / سوادِ تاریک جگمگائے۔

جو پھول لے کر گیا تھا / اُس روشنی کو / تیری زمین پر بسنے والے لوگوں نے / بارشِ سنگ سے نوازا / لہو لہو روشنی نے / تیری زمین پر بسنے والے لوگوں کے حق میں / پھر بھی دعائے توفیق و آگہی کی / کہ اس کی رحمت عظیم تر تھی!

وہ آیۂ نور و نکہتِ مہرباں کی صورت / تری زمیں سے زماں میں پھیلا / مکاں میں اور لامکاں میں پھیلا / وہ روشنی کائنات ہے اب! وہ بوئے گل شش جہات ہے اب!!

•

زود پشیماں :۔

یہ شہر بھی / تیرے شہر سے مختلف نہیں ہے / جدا نہیں ہے / وہاں بھی رسمِ وفا نہیں ہے / یہاں بھی رسمِ وفا نہیں ہے۔

وہاں بھی بے سائباں گھروں پر / شرر برستے تھے بارشوں میں / یہاں بھی دیوار و دَر گرے ہیں / خود اپنے آنگن کی سازشوں میں / وہاں بھی موسم کی شدتیں تھیں / یہاں بھی آب و ہوا وہی ہے /

وہاں بھی معبود، سیم و زر تھا/ یہاں بھی سب کا خدا وہی ہے۔

وہاں یہ تھا/ وہم بے یقینی/ جو اپنا پروردہ گماں تھا/ ہر اک حقیقت بھی دھندلی/ تمام منظر دھواں دھواں تھا۔

فصیلِ نفرت عبور کر کے/ یہاں جو آیا/ تو جبرتِ اعتبار ہوں میں/ کہ اپنے خود ساختہ یقیں کا/ شکار ہوں میں!

دھوپ گھڑی :۔

کبھی دن نکلے کبھی شام ڈھلے/ کبھی سایہ میرے آگے ہو/ کبھی پیچھے ہو/ کبھی پاؤں تلے/ یہ وقت بھی کس کا دوست ہوا/ کبھی تھم جائے/ کبھی ساتھ چلے/ کبھی شبنم شبنم میرا بدن/ کبھی سورج سورج انگ جلے/ دن سخت تھا لیکن ختم ہوا/ جگ بیت گیا! میں وقت کی بازی جیت گیا!!

اب سر پہ کھڑی ہے/ رات کڑی/ میں فرض کا قرض اتار آیا/ یہ کس کی عمر ملی تھی مجھے/ یہ کس کی عمر گزار آیا/ مرا منہ چھوٹا/ مری بات بڑی/ میں دھوپ گھڑی!!!

نجات :۔

حسین فردا کی آرزو میں/ مرا یقیں/ کب سے زندگی کی صلیب پر/ انتظار کی گرد ہو چکا ہے/ یہ شعلۂ اعتبار/ فانوسِ زیست میں/ سرد ہو چکا ہے/ مرے خدا! دل کی سرزمین پر/ کوئی مسیحا اتار/ جو قتل گاہِ جاں میں/ امید کا معجزہ دکھائے۔

نہیں تو اے آسمان والے/ زمیں سے جس طرح تو نے/ ساری مسرتوں کو/ صداقتوں کو اٹھالیا ہے/ مرے یقین کی یہ بے کفن لاش بھی اٹھا لے!

بُت :۔

ترے سارے وعدے سچے تھے/ تجھے مجھ سے کتنی محبت تھی!/ ترا کھیتوں کھیتوں چرچا تھا/ مری پنگھٹ پنگھٹ شہرت تھی/ تری سکھیوں کو تھا رشک بہت/ ہر زخم سے سینہ خالی تھا/ جز نقشِ خلوص و مہر و وفا/ جو نقش تھا نقشِ خیالی تھا۔

اور آج، کہ دفتر میں بیٹھا/ میں اک افسر کہلاتا ہوں/ اُن کھیتوں اور کھلیانوں کو!/ اُن سکھیوں اور جوانوں کو/ اُس پنگھٹ اُن چوپالوں کو/ "سبزہ آغازہ" خیالوں کو/ جب پیچھے

پلٹ کر دیکھتا ہوں / تھوڑا پتھر ہو جاتا ہوں۔

اس درد سے کب جانبر ہوں گا / میں کب پورا پتھر ہوں گا۔ ●

تیسرا جنم :

میں گود سے گور تک کا لمبا سفر / خود اپنی صلیب اٹھائے سلامتی سے گزار آیا / محبتوں، شفقتوں کے بیچ میں / دشمنوں کو پکار آیا / لہو، لہو تھا / مگر تبسم بلب / عدم کے دیار آیا / میں سرخرو تھا / کہ قرض ہستی اُتار آیا۔

تو پھر یہ کس جرم کی سزا ہے / کہ تیسری بار / اس صدی میں / مجھے عذاب حیات میں مبتلا کیا ہے / کہ جس زمانے میں / حرفِ حق / زہر آگہی سے زیادہ معتوب ہو چکا ہے / کہ جس زمانے میں / پیار مصلوب ہو چکا ہے۔

میں اب بھی سچ بولنے کا عادی! مری زباں پر ہے آج بھی پیار کی منادی!! ●

پس پردہ :

تم کو کس نے دی ہے یہ دولت / جس کی بدولت / تم نے بھوکے کارکنوں کو / دُنیا ہی میں جنّت دی ہے / اور عقبیٰ کی بشارت دی ہے / کس نے بہایا یہ سرمایہ / جس کی زد میں / مذہب، مسلک، مشرب، غیرت / سب ہی خس و خاشاک ہوئے ہیں / قدریں اور عقیدے / سارے جل کر راکھ ہوئے ہیں / کب تک وہ معشوق چھپے گا / وقت کے پردۂ زنگاری میں / سرمایہ داری کی حمایت / شاید شرعی عیب نہیں ہے / مرشد؟ / ہم سب جانتے ہیں / یہ سارا معجزہ ڈالر کا ہے / کوئی دستِ غیب نہیں ہے۔ ●

شرقِ اوسط :

تیل جب تک دفینوں کی صورت رہا / موجۂ نیل ہو / یا فرات اور دجلہ کی لہریں / دف و چنگ پر رقص کرتی رہیں / نہر سوئز کی تخلیق سے / نہر سوئز کی تطہیر تک / امن ہی امن تھا / شیخ، محلوں کی عیاشیوں میں مگن / عنبر و عود و زیتون میں گم رہے / قوم روتی رہی / اور تاریخ تلوار سرہانے رکھے ہوئے / چین کی نیند سوتی رہی /

بُو ترابوں کے بیٹوں کی مٹی کی بُو / ابن مریم کے بچوں کی حرص و ہوس کا نشانہ بنی /

آسمانی خداوند کے حکم سے / جو تتر ابوں کے بیٹوں کی مٹی جہاں ابنِ مریم کے بچوں کے ہاتھ آگئی / ان کی مٹی سے / چشمہ ابلنے لگا تیل کا / اور اس طور آغاز ہونے لگا / اک نئے دور کا / اک نئے کھیل کا / کشت و خوں / قتل و غارت گری / جبر و ظلم و ستم جس کا انجام تھا۔

وادیِ نیل سے / اُردن و شام و بغداد کے سبزہ زاروں تلک / کوہساروں تلک / ریگ زاروں تلک / صرف بربادیاں !! صرف محرومیاں !! صرف ویرانیاں !!!

اس خموشی کے سنسان جنگل سے بھی / ایک آواز آتی رہی / اُمِّ کلثوم گاتی رہی •

سفیرِ بہاراں :

اے نخلِ نیم سبز / تری خشک شاخ پر / اس موسمِ بہار کا / یہ آخری ثبوت / سچائی کی صلیب پہ یوں سرفراز ہے / گویا جہانِ لالہ و گل کا جواز ہے / اس موسمِ بہار کا / یہ آخری گلاب / مٹی میں مل گیا تو / کبھی اس زمین پر / پھر رنگ و بو کا / کوئی پیمبر نہ آئے گا / تیرے نمو کا بحر بھی / اے نخلِ نیم سبز / پندارِ آرزو کی طرح ٹوٹ جائے گا۔ •

دیارِ بندہ نواز :

وہ زباں جو رختِ سفر بھی تھی / وہ زمیں جو سایۂ سر بھی تھی / وہ زباں بھی گردِ سفر ہوئی / وہ زمیں بھی خاک بسر ہوئی / کہ وہ رہ روی کا مزاج تھا / کہ وہ راستوں کا خراج تھا۔

مگر آکے منزلِ شوق پر / یہ کھلا، کہ اے دلِ معتبر / وہ تمام جذبے بکھر گئے / وہ تمام جلے مر گئے / یہ مآلِ شوقِ ہنر ہے / کہ جبیں پہ وقت کی گرد ہے۔

نہ زمیں ملی۔ نہ زباں ملی ! "جو اماں ملی تو کہاں ملی" !! •

نیا مدینہ :

زمین ہم سے چھٹی تھی / تو ہم نے سوچا تھا / جو اپنے عہد کی تاریخ کے مسافر ہیں / وہ سیلِ وقت کو جغرافیہ سے کیا نا پیں / بشکلِ ابرِ بہاراں / برنگِ موجِ صبا / ہم اہلِ فیض / کبھی ریگ زار صحرا میں / کبھی مہکتی ہوئی وادیوں کی دنیا میں / جہاں بھی پہنچے / پیامِ حیات لے کے گئے / حرارتِ نفسِ کائنات لے کے گئے / جہاں سے اٹھے / ہجومِ صفات چھوڑ آئے / جہاں سے کوچ کیا نقشِ ذات چھوڑ آئے / تمام خاک نشینوں کا ایک ہی مسلک / تمام عرش مکینوں کا ایک ہی کردار /

زمیں سے رشتہ کبھی استوار ہی نہ کیا / خلا سے بڑھ کے خدائی کو پیار ہی نہ کیا / وطن کو ماں تو کہا / ماں سے ماسوا نہ کہا / وطن کا بُت تو تراشا - اُسے خدا نہ کہا -

اسی وراثت وجدان کا نتیجہ تھا / زمین چھوڑ کے / ہم بے زمین لوگوں نے / بڑے وقار فلک آگہی سے سوچا تھا / ہماری نسل سے بھی / پیمبروں کا پُرانا چلن نہیں چھوٹا / وطن کا نام تو چھوٹا / وطن نہیں چھوٹا -

زمین ہم سے چُھٹی ہے / تو ہم یہ سوچتے ہیں / ہماری طرح / جنھوں نے وطن کو چھوڑا تھا / وطن کے لفظ کا بُت / پہلی بار توڑا تھا / ان اہلِ مکہ کی قسمت عجیب قسمت تھی / فراخ جن پہ ہوئے اجنبی در و دیوار / کُشادہ تر ہوئے ناآشنا دلوں کے حصار -

وہی تو ہم ہیں / ہمارا عجیب رنگ ہوا ! کہ یہ "ہمارا مدینہ" تو ہم پہ تنگ ہوا !! ●●

اختر راہی
لوہسر شرفو، واہ کینٹ



مکرمی!   تسلیم و نیاز

گرامی نامہ اور جرنل کے دو شمارے (۱۹-۲۰) موصول ہوئے، شکریہ۔

رئیس نعمانی صاحب "محسن کتابوں وغیرہ کے بارے میں" رقم طراز ہیں:

"شاہ رفیع الدین کی ایک کتاب کا نام 'تکمیل الاذہان' چھپا ہے۔ عمران خان صاحب کی کتاب میں بھی اسی طرح ہے اور غالباً یہ غلطی وہیں سے چلی ہے۔ شاہ رفیع الدین کی کتاب کا صحیح نام غالباً "تشحیذ الاذہان" ہے۔ 'تکمیل الایمان' شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب کا نام ہے۔ عبیداللہ سندھی صاحب نے یہ مضمون اپنے کسی شاگرد کو املا کرایا ہوگا اور اس شاگرد کو التباس ہوا، جس کو عمران خان صاحب نے مارک کیے بغیر شائع کردیا۔" (ص: ۹۱ - شمارہ ۲۰)۔

شاہ رفیع الدینؒ کی کسی کتاب کا نام "تشحیذ الاذہان" نہیں۔ اُن کی کتاب کا نام "تکمیل الاذہان" درست ہے۔ گو تذکرہ نگاروں نے اسے "کتاب التکمیل" اور "تکمیل الصناعۃ" بھی درج کیا ہے۔ یہ عربی کتاب عبدالحمید سواتی صاحب کی کوشش سے ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ سے شائع ہو چکی ہے۔ اس سے پہلے نواب صدیق حسن خان مرحوم "ابجد العلوم" میں اس کے تین ابواب نقل کر چکے تھے۔

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔

والسلام   ۲/۴ ۱۹۸۳ء

PUBLICATIONS OF KHUDA BAKHSH LIBRARY, PATNA

—::—

1. Khuda Bakhsh Library : An Introduction	by Scott O'Connor	Rs. 10/-
2. Khuda Bakhsh (Biography)	by S. Khuda Bakhsh & Jadunath Sarkar	Rs. 10/-
3. Contemporaries in Chronograms (Persian)	by Hasrat Azimabadi	Rs. 10/-
4. My Criticism—A Retrospect (Urdu)	by Prof. Kalimuddin	Rs. 10/-
5. Sufi Literature in the Sultanate Period	by Dr. Bruce Lawrence	Rs. 10/-
6. Maktub & Malfuz Literature-As a Source of Socio-Political History	by Prof. S. H. Askari	Rs. 10/-
7. Reconstruction of Islamic Chronology	by Dr. Hashim Amir Ali	Rs. 10/-
8. Persian Language and Literature in India	by Dr. Nazir Ahmad	Rs. 10/-
9. Shamsul Bayan : An early Urdu Dictionary	by Mirza Jan Tapish	Rs. 10/-
10. Bagh-i-Ma'ani' : A Biographical Dictionary of 18th Century Persian Poets	by Naqsh Ali	Rs. 10/-
11. Majma'un-Nafais : Biographical Dictionary of 18th Century Persian Poets	by Khan Arzu	Rs. 10/-
12. Suhuf-i-Ibrahim : Biographical Dictionary of 18th Century Persian Poets	by Ali Ibrahim Khalil	Rs. 10/-
13. Masnavi Tasweer-i-Mahabbat	by Shamsuddin Faqir	Rs. 10/-
14. Presidential Address of the 1st Session of the U. P. Congress	by Pt. Motilal Nehru	Rs. 10/-
15. Rich & Valuable Contribution of India to Persian Literature	by Dr. S. A. H. Abidi	Rs. 10/-
16. Urdu Literature as selected from Old Periodicals Vol. I (Adeeb, Allahabad)	...	Rs. 45/-
17. Urdu Literature Vol. II (Al-Asr, Lucknow)	—	Rs. 45/-
18. Urdu Literature Vol. III (Subh-i-Ummid, Lucknow)	...	Rs. 45/-
19. "Miyar" of Qazi Abdul Wadood, in 1936, (Urdu)	...	Rs. 45/-
20. Catalogues of Arabic & Persian Manuscripts of Khuda Bakhsh O. P. Library, Vols. 1-3,7,8,19,29-34		Rs. 35/- (Each)
21. Hand List of Persian Arabic Manuscripts	3+3 Vols	Rs. 60/-
22. " " Urdu Manuscripts		Rs. 10/-



KHUDA BAKHSH LIBRARY

JOURNAL

25

KHUDA BAKHSH ORIENTAL PUBLIC LIBRARY
PATNA